الا إن حزب الله هم المفلحون

مصطفیٰ کمال اتاترک

یعنی

غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے حالاتِ زندگی

(مصنفہ)

کے اے حمید بی اے لندن بیرسٹر ایٹ لا

پبلشر

محمد نصیر ہمایوں بی اے قومی کتب

والدِ مرحوم شیخ علی بخش صاحب وکیل کے

نام

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

غازی مصطفے کمال پاشا

فہرست مضامین

کتاب کے ماخذ

۱۔ ملت ۱۹۱۹ء
۲۔ ٹرکش آرڈیل، مصنفہ خالدہ ادیب
۳۔ ٹرکی، مصنفہ لیمان فان سانڈرس
۴۔ کمپین ان گیلی پولی، مصنفہ کانگراد
۵۔ گوت، مصنفہ آبری ہربرٹ ایم۔پی
۶۔ دی ریبرتھ آف ٹرکی، مصنفہ شینڈرن
۷۔ ویسٹ اینڈ ایسٹ، گریس ایلین
۸۔ این انگلش ومن ان انگورہ، مصنفہ میری وڈ
۹۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا از کنٹمپریری ریویو نومبر ۱۹۲۷ء
۱۰۔ ٹرکش فارن پالیسی، مصنفہ عصمت پاشا
۱۱۔ لاٹرکی، مصنفہ موسیو فبری
۱۲۔ ٹرکی آف ٹوڈے از جرنل رائل انسٹیٹیوٹ آف انٹرنیشنل آفیرز مارچ ۱۹۲۷ء
۱۳۔ دی ایسٹرن آفیر ان ٹوڈان، مصنفہ مسٹر آرنلڈ ٹوئنبی
۱۴۔ دی ٹرکش ریلوے سوسائٹی آف ایشیا ۱۹۲۷ء والیوم ۱۵ پارٹ ۱

۱۵۔ ماڈرن ٹرکی، مصنفہ میریس ۔

۱۶۔ مصطفیٰ کمال آف ٹرکی، مصنفہ ایچ ۔ ای ۔ وارتھن ۔

۱۷۔ کمال پاشا، مصنفہ فان ڈوس ۔

۱۸۔ سفرنامہ انگورا، مصنفہ ڈاکٹر رانڈرن ۔

۱۹۔ سفرنامہ ٹرکی، مصنفہ ڈاکٹر وینڈراف ۔

۲۰۔ اخبار ٹائمز آف لنڈن ۔

۲۱۔ اخبار ویکلی ٹائمز آف انڈیا ۔

۲۲۔ المقید مصر ۔

۲۳۔ زمیندار لاہور ۔

۲۴۔ اے گائیڈ ٹو ماڈرن پالٹکس، مصنفہ جی ۔ ڈی ۔ ایچ اینڈ ایم ڈی کول ۔

دیباچہ

(از جناب آنریبل خان بہادر سر عبد القادر صاحب کے۔ ٹی۔ بار ایٹ لا

ممبر کونسل وزیر ہند۔ لندن)

بیسویں صدی کا آغاز دنیا کی تاریخ میں طرح طرح کی عجائبات لایا۔ بہت سی نئی ایجادیں اس زمانے میں شروع ہو کر مکمل ہوئیں جنہوں نے دنیا کے حالات کو بدل دیا۔ جنگ عظیم بھی اسی زمانے میں آئی جس سے بڑی بڑی مستحکم سلطنتیں مٹ گئیں۔ کئی ملک تباہ و برباد ہو گئے کئی قومیں بلندی سے پستی میں چلی گئیں اور کئی پستی سے بلندی تک پہنچ گئیں۔ جنگ کیا تھی۔ سیاسیات کی دنیا کے لئے ایک زبردست زلزلہ تھا۔ جس کے خوفناک اثرات ابتک باقی ہیں۔ جس نے کئی تخت الٹ دئے۔ اور بڑے بڑے تاجداروں کو بے نام و نشان کر دیا۔ مگر سب سے نمایاں خصوصیت۔ اس صدی کے ربع اول کی یہ ہے کہ اس دور میں بیجا ایسی عجیب شخصیتیں پیدا ہوئیں کہ تاریخ عالم اتنے بلند ہمت۔ ذی حوصلہ خدایان ملک و قوم کی مثال بیک وقت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ان شخصیتوں میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس نے ترکوں کی حکومت کی گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا اور ترکوں کی عظمت کی از سر نو بنیاد ڈال دی۔ وہ اس وقت عملاً ترکی میں سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اور ملک اس کے اشارے پر چلتا ہے۔ مختلف ملکوں

میں جتنے ڈکٹیٹر (مختارِ مطلق) اس زمانے میں پیدا ہوئے وہ بہت سی باتوں میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ مثلاً مسولینی۔ ہٹلر مصطفیٰ کمال اور رضا شاہ پہلوی۔ سب غریبانہ یا متوسط زندگی سے تدریجی ترقی کرتے ہوئے اپنی اپنی جگہ اعلےٰ ترین مناصب پر پہنچے۔ سب اپنے اپنے وطن کی محبت میں سرشار ہیں۔ مگر غازی مصطفےٰ کمال کی یہ خاص بات قابل ذکر ہے کہ اس کی ابتدائی تربیت ایسے گھرانے میں ہوئی تھی جس میں مذہب اسلام سے گہری عقیدت اور پیغمبر اسلام سے دلی محبت موجود تھی۔ اس لئے اس کے کارناموں میں مذہب کا عنصر دیگر متحرک قوتوں کے ساتھ شامل رہا یہ خصوصیت ابتدا میں زیادہ نمایاں تھی۔ گو کامیابی کے بعد اس میں بہت سی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ تاہم اس کے اقوال و اعمال اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور رسولِ خدا کی رسالت کا دل سے قائل ہے۔ اور ان تمام کوششوں میں جو اس نے اپنے ملک کی حفاظت کے لئے کی ہیں۔ حُبِّ وطن کے ساتھ جوشِ ایمان موجود ہے۔ اس کے مخالفوں نے جن میں کچھ اُس کے اپنے ابنائے وطن اور کچھ بیرونی لوگ ہیں۔ بارہا یہ مشہور کیا ہے کہ وہ اور اُس کے ساتھ اُس کی قوم دائرۂ اسلام سے نکلنے کو تیار ہیں اور اسلام سے علیحدگی اختیار کرنے کو ذریعۂ ترقی سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن یہ خیال درست نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ٹرکی میں مذہبی رسوم و قیود کی پابندی جس قسم کی خلافت عثمانیہ کے زمانے میں تھی۔ اب نہیں ہے۔ لیکن ترک بارہا یہ اعلان کر چکے ہیں کہ وہ اپنے

مذہب کی صداقت کے اسی طرح قائل ہیں جس طرح اُن کے بزرگ تھے اور
اُس کے زرّیں اصولوں پر کاربند ہونے کی کوشش کرتے ہیں، وہ کہتے
ہیں کہ صرف اُن چیزوں میں جن کو وہ اصولی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے ایسی ترمیمات
کی ہیں جنہیں وہ بلحاظِ حالاتِ زمانہ ضروری سمجھتے ہیں +

غازی مصطفےٰ کمال کے حالات بہت سی زبانوں میں لکھے گئے ہیں۔
انگریزی میں بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں جدید ٹرکی اور اس کے
بانی کی تعریف کی گئی ہے۔ اسی طرح جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں غازی موصوف
کے حالات لکھے گئے ہیں۔ اُردو میں بھی ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو ٹرکی کے
اس نامور رہنما کے حالات پر روشنی ڈالے۔ ہمارے دوست جناب خان
عبدالحمید صاحب بیرسٹرایٹ لا نے جو لندن یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں
علم تاریخ کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ اور شغل وکالت کی مصروفیات کے باوجود
علمی مشاغل جاری رکھتے ہیں۔ اس ضرورت کو پورا کیا ہے۔ وہ ہمارے دلی
شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب نہایت تلاش اور جانفشانی سے
بیس بائیس مختلف کتابوں کے مطالعہ اور چھان بین کے بعد لکھی ہے۔ اردو
ادبیات میں ایک نہایت دلچسپ اور مفید اضافہ کیا ہے۔ اور تاریخی یادداشت
کی حیثیت سے ایک نہایت مستند چیز ہے۔ بڑے آدمیوں کی زندگیاں دوسروں
کے لئے بے حد سبق آموز ہوتی ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کے نوجوانوں کی
رہبری اور حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ متمدن دنیا کی ہر بڑی زبان میں ایسی کتابوں
کا بہت سا ذخیرہ ہے۔ اور اردو میں ابھی یہ ذخیرہ نسبتاً کم ہے۔ مگر اس

خیال سے تسلی ہوتی ہے کہ مشاہیر کے سوانح عمری کی کتابیں لکھنے اور پڑھنے کا شوق اردو خواں طبقے میں روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔

میں فاضل مصنف کی عنایت کا ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ کتاب میرے پاس بھیج کر یہ فرمایش کی کہ میں اس کا دیباچہ لکھوں۔ گو دیر تک بعض اور مصروفیات کی وجہ سے مجھے اس کے پڑھنے کا وقت نہ مل سکا لیکن اس کی دلچسپی کی یہ تعریف کافی ہے کہ جب میں اسے پڑھنے بیٹھا تو ختم کئے بغیر نہ چھوڑ سکا۔

دیباچہ لکھنے میں مجھے ایک دو مشکلات درپیش ہیں جن کا اظہار لازم ہے۔ اول یہ کہ میری رائے میں غازی مصطفےٰ کمال کی بڑائی کا بیان کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ سلطان عبدالحمید مرحوم جیسے نامور خلیفہ اسلام یا اُن کے جانشینوں کی تنقیص کی جائے۔ مگر ہمارے فاضل مصنف نے خاندانِ عثمانی کے آخری تاجداروں کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ اُن کا یہ خیال ہے کہ سلطان عبدالحمید مرحوم نے ۱۹۰۸ء میں ترکی کو آئینی حکومت دینے کا فیصلہ کرنے کے بعد اس فیصلے کے خلاف کارروائی کی اور بدعہدی کے مرتکب ہوئے۔ یہ خیال اگر صرف اُس جماعت کے بیانات پر مبنی ہے جس نے سلطان موصوف کو معزول کیا تو اس کا دوسرا پہلو بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی بے لاگ ماخذ اس اطلاع کے صاحب مصنف کے پاس موجود ہیں تب بھی وہ سلطان عبدالحمید کی خدمات ملی کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ وہ ملت کے وہ سالار تھے جنہوں

نے تیس برس سے زیادہ یورپ کی متحدہ کوششوں کا جو سلطنت عثمانیہ کو توڑنے کے لئے کی جاتی رہی۔ بڑی کامیابی سے مقابلہ کیا۔

میں بہت سی باتوں میں سلطان عبدالحمید مرحوم کا مداح ہوں اور میرا ذاتی خیال ہے کہ آئین حاصل کرنے کے بعد نوجوان ترکوں کو اُن کی روش کے بارے میں غلط فہمی ہوئی اور اس سے بہت سے بُرے نتائج ملک اور قوم کے لئے پیدا ہوئے۔ یہ موقعہ نہیں کہ سلطان مرحوم کے حالات سے تفصیلی بحث کی جائے۔ میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ناظرین کتاب کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں اپنے فاضل دوست کے ساتھ غازی مصطفیٰ کمال کی خدمات کے اعتراف میں تو شامل ہوں مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ہر رائے کے ساتھ جو کتاب میں ظاہر کی گئی ہے مجھے بھی اتفاق ہے۔ بلکہ فاضل مصنف اپنی رائے کے خود ذمہ دار ہیں۔

دوسری مشکل جو مجھے پیش آئی یہ تھی کہ فاضل مصنف نے اپنے ممدوح کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اُن کے ایسے کاموں کو نظرانداز کیا ہے جن کی نسبت اکثر اہل الرائے اصحاب میں اختلاف ہے۔ مثال کے طور پر ایک یہ واقعہ لے لیجئے۔ غازی مصطفیٰ کمال کے بعد شاید اُن کے ساتھیوں میں سے کسی شخص کا حصہ جدید ترقیات میں رؤف بے سے زیادہ نہ ہوگا۔ رؤف بے بہت سے مشکل کاموں میں کمال کے معاون رہے۔ مگر ایک عرصہ ہوا کہ وہ برطرف کر دئے گئے

سوائے اس قدر کہنے کے کہ بعض سیاسی وجوہ پر وہ علیحدہ کئے گئے۔ فاضل مصنف نے کوئی وجوہات ان کی برطرفی کی نہیں بیان کیں۔ اور دو تین سال ہوئے جب وہ ہندوستان کی سیاحت کے لئے آئے تب بھی اُن سے ملاقات کی۔ اُن کی خدمات ملّی مشہور و معروف ہیں اور اُن کی قابلیت مسلّمہ ہے۔ ہندوستان میں انہوں نے جا بجا تقریریں کیں۔ جن کے لفظ لفظ سے اپنے ملک کی محبت ٹپکتی تھی۔ اُن کی سلامت روی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے کسی تقریر میں یا سوالات کے جواب میں ایک لفظ بھی اپنے پرانے دوست کے خلاف نہیں کہا۔ بلکہ ذاتی ملاقاتوں میں بھی کمال کی شکایت نہیں کی۔ اسی طرح کا واقعہ مشہور ٹرکی خاتون خالدہ ادیب خانم کے متعلق ہے۔ وہ کابینہ وزارت میں شریک تھیں۔ اسے بھی اہل ہند نے دیکھا ہے۔ اور اس کی تقریریں سُنی ہیں جبکہ وہ ۱۹۳۴ء میں ہندوستان آئی۔ اس محب وطن خاتون کا رویہ بھی وہی ہے۔ جو رُوف بے نے ملحوظ رکھا۔ یہ مثالیں اشخاص کے متعلق تھیں ایک مثال غازی مصطفٰے کمال کے دیگر احکام کی بھی پیش کرنی ضروری ہے جن کے متعلق ٹرکی کے باہر اسلامی دنیا میں نکتہ چینی ہو چکی ہے۔ مثلاً اکثر لوگ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ ترکی زبان کے مروجہ حروف کو چھوڑ کر رومن حروف کو رسم خط کے لئے اختیار کئے بغیر ترکی زبان کی ترقی ممکن نہ تھی۔ اس حکم کی کیا وجوہات ہیں اور اس کے جو مضر اثرات قومیت اور اتحاد اسلام پر ہیں وہ کیوں نظر انداز کئے گئے۔ اگر اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کی نوبت

آئی تو مجھے اُمید ہے کہ ہمارے فاضل دوست مزید تلاش اور تحقیق کر کے اِن امور کو زیرِ بحث لائیں گے تاکہ ان کے متعلق صحیح رائے قائم ہو سکے ۔

میں نے یہ چند باتیں اس لئے واضح کر دی ہیں کہ جن امور میں میری ذاتی رائے اپنے عزیز دوست سے مختلف ہے۔ اُن کے اظہار کے بعد میں زور سے اُن کی اس رائے کی تائید کروں کہ جنگِ عظیم کے بعد ٹرکی کی حالت کو سنبھالنے اور سنوارنے میں غازی مصطفٰے کمال کی خدماتِ جلیلہ ایسی ہیں جن کے بارِ احسان سے اُن کا وطنِ عزیز کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا بلکہ سب دنیائے اسلام اُن کی مرہونِ منّت ہے۔ غازی مصطفٰے کمال کی عمر اس وقت پچپن سال کے قریب ہے۔ ان کی عمر کو اگر تین حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ تو پہلا حصہ بچپن کی تربیت اور تعلیم اور آغازِ جوانی کا ہے جب اس نے فوجی ملازمت کی ابتدا کی۔ دوسرا حصہ اُس زمانے کا ہے جب حالاتِ ملک نے اس کے جذبۂ حُبِ وطن کو بیدار کیا۔ اور اس نے اپنے ملک کے امرا اور رُؤسا کی خود غرضانہ زندگی سے مایوس ہو کر اپنے اہلِ وطن کی خدمت کو اپنا مقصدِ زندگی قرار دیا۔ اور وہ ہر قسم کے ایثار اور قربانی کے لئے تیار ہو گیا اور طرح طرح کی تکالیف برداشت کرتا رہا۔ تیسرا دور وہ ہے جب میدانِ جنگ میں بہادری اور تدبر کے جوہر دکھانے کے بعد کامیابی کا سہرا اس کی پیشانی پر بندھا۔ اور وہ اپنی قوم کا مُلکی رہنما اور نجات دہندہ مانا گیا ۔

فاضل مصنف نے اِن تینوں زمانوں کے حالات بڑی خوبی سے قلمبند کئے ہیں۔ مجھے اُن معاملات کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں

شائقین اصل کتاب میں پڑھیں گے اور محظوظ ہوں گے۔ میں غازی ممدوح کی زندگی کے بعض نمایاں کاموں کی طرف محض اشارات کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

سب سے پہلی چیز جو مصطفیٰ کمال کے حالات میں قابل ذکر ہے وہ اس کی واجب التعظیم ماں کی ہمت اور استقلال ہے۔ اور یہی وہ صفات ہیں جو اس نے اپنی ماں سے لی ہیں۔ اور جو بعد کی ترقی میں ہر مرحلہ پر اس کے کام آئیں۔ مصطفیٰ کے بچپن میں باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا۔ اور اس کی تربیت کا بار اس کی ماں کے کندھوں پر آپڑا۔ اس نے جس خوبی سے اپنا فرض ادا کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس سپوت نے نہ صرف اپنی ماں کو سرخرو کیا۔ بلکہ آج اس کا وطن اس پر نازاں ہے۔ جب زندگی کی جدوجہد اور خدمت ملک کے کاموں میں مصطفیٰ پر مصیبتیں آئیں اور حکومت کے عتاب نازل ہوئے تو اس کی باحوصلہ ماں بجائے پریشان ہونے کے اس کو تاکید کرتی تھی کہ اپنی دھن کو نہ چھوڑے اور اپنی جان تک کی پروا نہ کرے اسے مصطفیٰ کمال کی خوش قسمتی کہئے کہ ماں کا اخلاقی اثر دیر تک اس کے ساتھ رہا اور جہاں اس نے بیٹے کی مصائب اور مشکلات دیکھی تھیں وہاں اس کا عروج اور اقبال دیکھ کر وہ اس جہان سے بیاسی برس کی عمر میں رخصت ہوئی۔ مصطفیٰ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ مگر اس کی دو بہنیں تھیں وہ بھی ماں کے نقش قدم پر چلتی تھیں۔ اس لئے وہ بھی مصطفیٰ کو ہمت دلانے اور ایثار کے ارادوں میں مستحکم رہنے میں مددگار ہوئیں۔ شاید الٰہی ابتدائی

اثرات کا نتیجہ ہے کہ مصطفیٰ کمال عورت ذات سے بہت ہمدردی رکھتا ہے اور عورتوں کی ترقی کا دل سے خواہاں ہے۔ وہ جوان ہو کر اس نے دیر تک شادی نہیں کی مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ حسن نسوانی سے بے پروا یا محبت نسوانی سے بے نیاز تھا۔ بلکہ اس کی حب وطن حب زن پر غالب آئی۔ اور وطن کی مشکلات دیکھ کر اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اُن مشکلات کو حل نہ کرلے شادی نہیں کرے گا۔ جب مشکلات کا بادل قدرے پھٹا اور امید کی کرن نظر آنے لگی تو قدرت نے اس کے لئے ایک رفیقۂ زندگی بھیج دی لطیفہ خانم جو حسن و جمال کے ساتھ علم و کمال سے بھی آراستہ تھیں۔ وہ مصطفیٰ کے غائبانہ مداحوں میں تھی۔ اس نے اپنی دلچسپی اور محبت کا اظہار کیا اور مصطفیٰ کمال کو بھی اس سے محبت ہو گئی۔ اور ان کا باہم عقد ہو گیا۔ کچھ برس وہ خوش اور آباد رہے اور اس عرصے میں لطیفہ خانم ان کی معاون و مددگار رفیقہ ثابت ہوئیں۔ مگر پھر بعض سیاسی امور میں اختلاف ہو جانے سے انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑا۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی زندگی کا یہ باب بہت دردناک ہے۔ لیکن ہمارے مصنف نے اس واقعہ پر جو روشنی ڈالی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر اختلاف اس پر ہوا کہ بیوی اپنے شوہر کی ذاتی ترقی کے لئے چاہتی تھی کہ وہ صدارت ملکی کے ساتھ مسند خلافت پر بھی متمکن ہو جائے اور کمال پاشا ملک کی بہتری اس میں جانتے تھے کہ خلافت ہی کا خاتمہ ہو جائے اور اس لئے وہ اس منصب جلیل کے لینے کو تیار نہ تھے۔ اگر یہ درست ہے کہ اصلی وجہ اس افسوسناک

علیحدگی کی یہ تھی تو خواہ کسی کو مسئلہ خلافت پر کمال پاشا کی رائے سے اختلاف ہو۔ پھر بھی اس مردِ کامل کی بڑائی کا اعتراف لازم آئے گا۔ کہ اتنی بڑی چیز کو ایک اصول پر جس کو وہ صحیح مانتا تھا قربان کر دیا ۔

اپنی زندگی کے درمیانی دور میں مصطفیٰ کمال کو جن نامور لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقعہ ہوا۔ اُن میں سب سے نمایاں شخصیت انور پاشا کی ہے۔ انور اپنی جگہ ٹرکی کے دورِ جدید کا رستم ہے اور اس کے جنگی کارنامے فسانوں کی طرح مشہور ہیں۔ اور گھر گھر میں اس کے گیت گائے جاتے ہیں۔ پہلے انور پاشا اور مصطفیٰ کمال دیر تک مل کر کام کرتے رہے۔ مگر بعد میں ان دونوں میں اختلاف ہو گیا اور اس کتاب کے مطالعہ سے اس اختلاف کی وجوہ سمجھ میں آتی ہیں۔ انور پاشا نے جنگی تعلیم جرمنی میں پائی تھی اور اس پر جرمنی کا اثر غالب تھا۔ وہ جرمن قوم سے ترکوں کا اتحاد چاہتا تھا مگر مصطفےٰ کمال ہر غیر قوم کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ ترک اپنے بَل پر اُبھریں البتہ جہاں ضرورت ہو دوسری قوموں سے کچھ کام لے لیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب جنگِ عظیم میں ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو مصطفیٰ کمال کو اس تجویز سے اختلاف تھا۔ اس کی رائے میں یہ شرکت ترکوں کے لئے نقصان دہ تھی۔ بعد میں ثابت ہوا کہ اُس کا خیال درست تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصطفیٰ کمال کو جوانی میں بھی دور اندیشی کا وافر حصہ ملا تھا۔ مصطفیٰ کمال چاہتا تھا کہ ترکوں کی ایک انچ زمین بھی ان کے قبضے سے نہ جانے پائے اور جنگِ عظیم میں شرکت کے سبب ترکوں کی

وسیع سلطنت کے بیشتر حصے یکے بعد دیگرے اُن کے ہاتھ سے نکل گئے مگر جو نقصانات ٹرکی کو جنگ میں شریک ہونے سے پیش آئے اور جس کی ذمہ داری ان لوگوں پر آتی ہے جو اُس وقت ارباب حل وعقد تھے۔ ہم اُن معلومات کی بنا پر جو ہمارے فاضل مصنف نے جمع کی ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصطفےٰ کمال اس بارے میں بری الذمہ تھے۔ کیونکہ انہوں نے اس تجویز کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی۔ گو اُن کی بات مانی نہ گئی۔ البتہ جنگ کے بعد جب ملک کی باگ مصطفےٰ کمال کے ہاتھ میں آئی۔ یا یوں کہئے کہ جب اُس نے زبردستی باگ چھین لی۔ اُس وقت سے لے کر اب تک اس نے ملک کا بارِ امانت جس عمدگی سے اُٹھایا ہے۔ وہ اُسی کا حصہ ہے۔ اور حقیقت میں جو کچھ باقی رہ گیا تھا۔ اس میں سے ایک اِنچ نہیں جانے پایا۔ جنگی مدبر کی حیثیت ڈرا ڈنلز کا معرکہ اور سمرنا کی فتح مصطفےٰ کمال کا نام ہمیشہ زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ ملکی تدبر میں روسیوں سے کام لے کر اتحادیوں سے نبٹنا غیر معمولی کارنامہ ہے۔ باوجود مختار مطلق ہونے کے مُلک کی پارلیمنٹ میں جمہوریت کا رنگ قائم رکھنا اس کے سیاسی خیالات کی وسعت کی دلیل ہے عورتوں کو حقوق دینا بغیر اس کے کہ اُن کو حصولِ حقوق کے لئے جد وجہد کرنی پڑے حقوق نسواں کے متعلق اس کے احساسات کی گہرائی کا پتہ دیتا ہے۔ ترکوں کی جنگی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔ یورپ میں آج تک اس کی دھاک ہے اور سب مانتے ہیں کہ ترک سپاہی بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ مگر تجارت اور صنعت کے میدان میں ٹرکی کو دیگر متمدن اور

متمول اقوام کے مقابلے میں لاکر کھڑا کر دینا مصطفیٰ کمال کے کمالات میں سے ہے۔ انگورا ایک معمولی سے قصبے کی حالت سے اُبھر کر ایک پُر رونق اور خوب صورت شہر بن گیا ہے۔ جس میں اچھی اچھی عمارتیں اور دفاتر اور ادارے ہیں۔ ملک میں کارخانے بن رہے ہیں۔ معدنیات میں ترقی ہو رہی ہے۔ پٹرول نکل رہا ہے اور اس سے ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور مصطفیٰ کمال کی کوشش یہ ہے کہ ٹرکی اپنی صنعتی اور تجارتی ضروریات کے لئے حتی الوسع کسی کا محتاج نہ رہے۔ اس کے اپنے جہاز ہوں۔ ہوائی جہاز ہوں۔ ریلیں ہوں۔ غرض جدید ترقی کے سارے لوازم موجود ہوں۔

حال[1] میں لندن کے ایک روزانہ اخبار ڈیلی ٹیلیگراف میں ایک صاحب مسٹر والٹن نامی نے ایک دلچسپ مضمون بعنوان "مصطفیٰ کمال کی جدید ٹرکی" شائع کیا ہے۔ جس میں غازی موصوف کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔ اُس مضمون سے کچھ اقتباسات میں نے کئے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ مسٹر والٹن لکھتے ہیں:۔

"مصطفیٰ کمال کے دور میں جسے اب بجا طور پر "اتا ترک" یعنی "بڑا ترک" کہتے ہیں۔ ٹرکی نے "مرد بیمار" کے دل آزار لقب سے نجات پالی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ وہ خود اپنی معالج آپ بن گئی ہے۔ ٹرکی اب اُن حدود پر قانع ہے جو اب اس کے قبضے میں ہیں۔ لیکن ان حدود کی طرف اب اگر کوئی نظر بد سے دیکھے یا اس کی سرحد کو کسی قسم کی دھمکی دے تو

---

[1] ملاحظہ ہو ڈیلی ٹیلیگراف لندن مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۳۵ء۔

اُس کی خبر نہیں ..... سب سرحدوں پر اس قدر استحکام اور امن ہے کہ اسے نمونے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں اور اندرونی ترقی کی کوشش بھی کامیابی کے ساتھ ہو رہی ہے ..... مالی حیثیت سے سب ریاستہائے بلقان میں ٹرکی ہی ایسی حکومت ہے جس کی حالت درست ہے۔ بجٹ کا موازنہ ٹھیک رہتا ہے ..... ایک فرانسیسی ماہر مالیات نے ٹرکی کی کتابوں کا ملاحظہ کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ٹرکی کا مستقبل امید افزا ہے۔ موصل کے تیل کے چشموں سے جو آمدنی اس سال آئی پانچ لاکھ پونڈ تھی اور تھوڑے عرصے میں دوسری معدنیات کی آمدنی شروع ہونے کو ہے۔ ارگانہ کی تانبے کی کان میں جرمنی کا بہت سا حصہ ہے مگر ٹرکی بہت کوشش کرے گی کہ اُس حصے کو خود خرید لے"۔

وہی مضمون نگار اپنے مضمون کے ایک دوسرے حصے میں یہ بیان کرتا ہے کہ ٹرکی میں جو بددلی انگلستان کے متعلق جنگ کے زمانے میں تھی۔ وہ اب مبدل بہ دوستی ہوتی جاتی ہے۔ اور خود مصطفےٰ کمال کے خیالات برطانیہ کے متعلق اچھے ہیں۔ بقول مسٹر والٹن "اتاترک برطانیہ کو پسند کرتا ہے اور آج کل انگریزی سیکھنے میں بہت سا وقت صرف کر رہا ہے اور اب بھی انگریزی میں گفتگو کر سکتا ہے گو کسی قدر تکلف سے ..... اس کے ارادوں کی مضبوطی اور استحکام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جو اصلاحات اس نے نافذ کی ہیں اُن کی رفتار برق کی طرح ہے۔ اور وہ دھیان رکھتا ہے کہ وہ پوری طرح عمل میں آجائیں اور محض سطحی نہ ہوں۔ اس کے اندر کام کرنے کی

طاقت بے حد ہے۔ اور وہ امید رکھتا ہے کہ اور بھی سب اسی طرح کام کریں جیسے وہ کرتا ہے۔ وہ مخالفت کی تاب نہیں رکھتا اور کوئی کام ادھورا نہیں کرنا چاہتا"۔

ایک بے تعلق انگریز کے قلم سے اتاترک کے حق میں ایسے کلمات تعریف غنیمت ہیں اور ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود اتاترک کے ابنائے وطن اس کے کاموں کو کس محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے میرے ایک دوست نے جو کچھ عرصہ ہوا۔ ٹرکی کی سیاحت کر کے آئے تھے۔ مجھے بتایا کہ مصطفےٰ کمال کا اثر اپنے ملک میں اس درجہ پر ہے یا یوں سمجھئے کہ اس حد تک لوگوں کو اس پر اعتماد ہے کہ اگر ان سے کسی بات کی نسبت کوئی پوچھے کہ یہ کیوں کی گئی تو وہ کہتے ہیں "غازی پاشا" خوب جانتا ہے۔ یہی وہ نام ہے جس سے ملک کے عوام مصطفےٰ کمال کو پکارتے ہیں۔ اس درجے کی تقلید جہاں اس زمانے میں مفید ہے۔ جب ٹرکی دورِ انقلاب سے نکل کر نئی زندگی پا رہا تھا اور اس کی بگڑی بن رہی تھی۔ کیونکہ اسی طرح ملک میں متحدہ قومیت کی روح پھونکی جا سکتی تھی اور اس کی حالت سنور سکتی تھی وہیں مُضر پہلو بھی رکھتی ہے۔ کیونکہ رفتہ رفتہ لوگ اپنی ذاتی سوچ بچار کی قوت کو معطل کر دیتے ہیں اور اندھا دھند دوسروں کے پیچھے لگنا سیکھ لیتے ہیں۔ اور اس عادت کی بدولت جب کسی کم عقل یا خود غرض لیڈر سے ان کو سابقہ پڑ جائے تو سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں۔

غازی پاشا کی بابت اس کتاب میں بہت سے واقعات ایسے

لکھے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود طرح طرح کی ترمیمات کے جو انہوں نے مذہبی امور میں داخل کی ہیں انہیں مذہب سے ایک دلی لگاؤ ہے جو اب تک قائم ہے۔ مثلاً ایک موقعہ پر مسجد میں قرآن شریف کا ترکی ترجمہ پڑھا جاتا تھا جس میں غازی پاشا موجود تھے۔ اور تعظیماً کھڑے ہو کر سُن رہے تھے اور "زارزار رو رہے تھے" یہ ان کے عقائد کی عمدگی کا ثبوت ہے۔ ترکی کے دَورِ جمہوریت میں کئی مذہبی ترمیمات اصلاحات کے نام سے ایسی ہوئی ہیں۔ جن سے دیگر ممالک میں ملّتِ اسلام کے افراد کو پریشانی ہوئی اور یہ اندیشہ پیدا ہو چلا تھا کہ ترکی میں دنیادی ترقی کہیں دینی ضعف کا باعث نہ ہو جائے۔ مگر غازی پاشا کا مذہب سے لگاؤ دیکھتے ہوئے یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ انشاءاللہ ترکی کا مستقبل ہر پہلو سے شاندار اور امید افزا ہوگا۔ کم از کم میرے دل پر یہ اثر اس کتاب کے پڑھنے سے ہوا ہے۔ اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ سب ناظرین ایسا ہی اثر اپنے دلوں میں پائیں گے اور اس کے مطالعہ سے بکثرت بہرہ اندوز ہو کر مصنف کی قابل قدر محنت کی داد دیں گے۔

لندن

۱۸۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء

عبدالقادر

عرضِ حال

۱۹۲۲ء کے موسم سرما میں ترکوں اور یونانیوں کی جنگ پورے زوروں پر تھی۔ یونانی تلے ہوئے تھے کہ ترکوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رہیں گے۔ ہم اکثر شام کی فرصت دی رائٹ آنریبل سید امیر علی کے دولت کدہ پر گذارتے۔ جہاں علم دوست۔ فاضل اجل اور مدبر جمع ہوتے۔ ترکوں کے متعلق خوب چہ میگوئیاں ہوتیں۔ کمال کے متعلق عجیب عجیب قسم کی خیال آرائیاں ہوتیں اور بعض اوقات یہ محفلیں رات کے ایک ایک بجے تک گرم رہتیں ہمیں بارہا سید مرحوم کے مکان پر توفیق پاشا۔ خالدہ خانم اور ڈاکٹر عدنان بے سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہم جوں جوں کمال کے حالات سنتے ہماری تڑپ اور دلچسپی بڑھتی۔ انہی ایام میں ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس نادرالوجود انسان کے سوانح حیات کے واقعات کو تحقیق سے جمع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ آب حیات کا کام دے۔

ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنے کا تھا کہ گذشتہ بارہ سال

سے ہم مختلف زبانوں کی کتابوں۔ اخباروں اور رسائل سے مستند معلومات
ایک جا جمع کرتے رہے اور اب ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ کتاب مذکور
کو پبلک کے سامنے پیش کر دیں۔

۱۹۳۴ء کے آغاز میں ہم کتاب لکھنے میں مصروف تھے
تذکرۃً کتاب مذکور کا ذکر جناب سر عبدالقادر سے ہوا۔ ہمارے مراسم
ان سے دیرینہ ہیں۔ آپ نے کتاب کو پسند فرمایا۔ ہماری بہت حوصلہ
افزائی کی اور ہماری درخواست پر دیباچہ لکھنے کا حتمی وعدہ فرمایا۔
ہم نے اکتوبر ۱۹۳۴ء میں کتاب کا مسودہ آپ کی خدمت میں ارسال
کر دیا۔ مگر ان کی مصروفیتیں اتنی تھیں کہ وہ اکتوبر ۱۹۳۵ء تک دیباچہ
نہ لکھ سکے۔ آخر ہمارے نہایت اصرار پر آپ نے مسودہ بذریعہ ہوائی
جہاز ارسال فرمایا ہے جس کے لئے ہم ان کے دل سے شکرگذار ہیں۔

جناب آنریبل سر عبدالقادر کی شخصیت علم ادب میں ایک
ممتاز ہستی ہے۔ زبان اُردو آپ کی ذات پر جس قدر ناز کرے کم ہے
اور گیسوئے اُردو کو جس طرح انہوں نے سنوارا ہے کسی بیان کا محتاج
نہیں۔ وہ ہندوستان کے تابندہ جوہر ہیں اور علم ادب پر آپ کے
احسانات ابدالآباد تک قائم رہیں گے۔ کسی مصنف کے لئے
اس سے بڑھ کر اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ اس کی کتاب کا دیباچہ آپ
کے قلم سے ہو۔

تاریخ نگار کے لئے یہ ازبس ضروری ہے۔ کہ وہ عقیدت

کو بالائے طاق رکھ کر واقعات کو من و عن اس طور پر پیش کرے کہ نہ تو وہ
ان میں کتر بیونت کرے اور نہ غلو کو اس میں دخل دے۔ یہی وجہ ہے
کہ ہم نے قطعی طور پر ان روایات پر انحصار نہیں کیا۔ جو ضعیف یا مبالغہ
آمیز معلوم ہوئیں۔ ہمیں سر عبدالقادر کی طرح خود سلطان عبدالحمید مرحوم
کی ذات سے عقیدت ہے۔ ہم معترف ہیں۔ کہ انہوں نے تیس سال
تک ترکوں کی نہایت جانفشانی سے خدمت کی۔ مگر یہ ایک تاریخی واقعہ
ہے جو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے ملک کو آئین
دینے میں بخل سے کام لیا اور بقول سید جمال الدین افغانی" اگر ہوس کا اور
ذاتی وجاہت کا عنصر ان میں کم ہوتا تو وہ ایک بے نظیر بادشاہ ثابت
ہوتے"۔ ممکن ہے۔ کہ وہ نیک نیتی سے آئین ملک کے لئے مضر خیال
کرتے ہوں۔ اور اسی وجہ سے اس کے رائج کرنے میں تساہل سے کام
لیتے ہوں۔ کمال پاشا کی سوانح حیات ٹرکی تاریخ کے عروج و زوال
کا ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ ہم نے بغاوت سنہ ۱۹۰۸ء اور سلطان
عبدالحمید مرحوم کی معزولی کے واقعات قلمبند کرنے کے لئے صرف
ان لوگوں کے بیانات پر انحصار نہیں کیا جو بغاوت بپا کرنے کے
ذمہ دار تھے۔ بلکہ نہایت تحقیق اور جستجو سے جرمن فرانسیسی عرب اور
انگریز مصنفوں کی کتابوں سے استدلال کیا ہے۔ یہاں اتنی جگہ نہیں
ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء کی بغاوت اور سلطان مرحوم کی معزولی کے واقعات
کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے روشنی ڈالی جائے کہ سلطان مرحوم کس قدر

حق بجانب تھے اور ینگ ٹرکش پارٹی کس قدر قصوروار تھی۔ تاہم ہمارا ارادہ ہے کہ ۱۹۰۸ء کے انقلاب پر ایک علیحدہ بسیط کتاب قلمبند کریں۔

موجودہ کتاب لکھنے کی غرض وغایت صرف اس قدر ہے کہ عوام کو معلوم ہو جائے کہ غازی کمال پاشا نے کس طرح ٹرکی کی ڈوبتی ناؤ کو بچایا۔ وہ کس طور پر بابر کی طرح لق ودق صحراؤں میں گھومتا پھرا۔ اس نے قوم وملت کی خاطر کس قدر مصائب اُٹھائے مگر متزلزل نہ ہوا ہر وقت موت کا ڈر دامنگیر تھا مگر مرعوب نہ ہوتا۔ کروڑوں روپیہ کی طمع دی گئی مگر مغلوب نہ ہوا۔ ایسے حالات میں دماغی توازن کا قائم رہنا ایک معجزہ سے کم نہیں۔ اُس کے دل میں مُلک کی محبت کوٹ کوٹ بھری ہے آج صرف ٹرکی ہی نہیں بلکہ تمام دُنیائے اسلام اس کی ذات پر جس قدر فخر کرے کم ہے۔ بے شک انسانی کمزوریاں اس میں موجود ہیں۔ اس کے پہلو میں دل ہے وہ واقعات سے متاثر ہوتا ہے مگر اسکے کیریکٹر کا روشن پہلو اس قدر مسنور ہے کہ وہ اس کی کمزوریوں کے چھپانے میں بڑی حد تک غالب ہے۔ جناب سر عبد القادر نے رؤف بے اور خالدہ خانم کے اختلافات کے متعلق رائے کا اظہار کیا ہے "کہ مصنف کو وضاحت سے بیان کرنے چاہیئے تھے"۔ مگر تاریخ نگار وہی واقعات قلمبند کر سکتا ہے۔ جو مستند اور تاریخی واقعات ہوں۔ ہم نے اس اختلاف کی ٹوہ لگانے کی ہر چند کوشش کی مگر ہمیں افسوس کے

ساتھ اس امر کا اعتراف ہے کہ ہم ناکام رہے۔ ہمیں صرف یہ معلوم ہوسکا
کہ کمال پاشا کو شک ہے کہ جو سازش کمال پاشا کی جان لینے کو کی گئی
تھی اس میں رؤف بے اور خالدہ کا ہاتھ تھا۔ اس کا دل ان سے قدرتی
طور پر مکدر ہوگیا اور کمال پاشا نے اُن کے معاملات میں دلچسپی لینی
چھوڑ دی۔ کمال پاشا ہی نے خالدہ کو وزیر کا عہدہ مقرر کیا تھا۔ کمال
پاشا ہی کی وجہ سے رؤف بے معزز اور جلیل القدر عہدوں پر فائز رہے
وہ ہمیشہ رؤف کو عزت اور تکریم کی نگاہوں سے دیکھتا۔ جب یہ
دونوں ہندوستان تشریف لائے تو ہم نے ہر ممکن کوشش کہ ان کے
اختلاف کا کچھ حال معلوم کرسکیں مگر ہماری درخواست پر بھی ان دونوں
نے ہمیں کوئی ایسا واقع نہیں بتلایا۔ جس کی وجہ سے ہم کمال پاشا کو موردِ
الزام ٹھیرا سکیں۔ اس وجہ سے ہم نے ان واقعات کو جان بوجھکر چھوڑنے سے
گریز کیا ہے۔ علاوہ بریں موجودہ سیاسیات میں کسی فردِ واحد کا کابینہ یا
حکومت میں نہ آنا یہ معنے نہیں رکھتا کہ اس سے ناانصافی یا زبردستی کی
گئی ہے۔ ایک وقت تھا کہ مسٹر لائڈ جارج کا لندن میں طوطی بولتا تھا
مگر آج ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے
ناانصافی برتی گئی ہے *

عوام کا خیال ہے کہ ڈکیٹیٹر یعنی مختارِ مطلق کی حیثیت ایک مداری
کی ہوتی ہے کہ وہ پارلیمنٹ کو جس طرح چاہے کٹھ پتلی کی طرح نچائے۔
مگر حقیقتاً یہ بالکل غلط ہے۔ آج بیسویں صدی میں یہ ممکن نہیں کہ ڈکیٹیٹر

نادر ہلاکو اور امیر تیمور کی طرح قادر مطلق ہیں محض خیالی تصور ہے ان ملکوں میں جہاں مختار مطلق کی وساطت سے حکومت ہو رہی ہے۔ پارلیمنٹ قائم ہے۔ اور مختار مطلق کا اثر و رسوخ اس طور پر ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ اسکے ہر فعل کو تحسین کی نظر سے دیکھتی ہے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کر دیتی ہے۔ مختار مطلق بھی لوگوں کی رجحان طبیعت کا مطالعہ کر کے احکام نافذ کرتا ہے۔ اس طور پر پارلیمنٹ اور مختار مطلق لازم و ملزوم چیزیں ہیں۔

کمال پاشا کی ذات پر جو بھروسہ ملک و ملت کو ہے وہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ترکی کا آئین انگلستان کے آئین سے مختلف ہے۔ کمال پاشا جرمنی اور اٹلی کے آئین کی طرح پارلیمنٹ میں صرف ایک پارٹی قائم کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اور ملک و ملت کو اس کی ذات پر اس قدر بھروسہ ہے کہ صرف اُس کی پارٹی کے لوگ ہی پارلیمنٹ کے لئے منتخب ہوتے ہیں۔

ہمارے لئے بہ از بس ضروری ہے کہ ہم اس امر پر روشنی ڈالیں کہ یورپ ایڑی چوٹی کا زور لگا چکا ہے کہ کمال پاشا کو اسلام سے دشمنی ہے اور ترکوں کو وہ اسلام سے منحرف کر رہا ہے۔ ہم نے کتاب کے پچھلے باب اسی امر کی تشریح کرنے میں صرف کئے ہیں۔ اسلامی اصول میں رخنہ اندازی کرنے سے انسان مسلمان نہیں رہ سکتا۔ مگر فروعی باتوں میں ہر ملک کی آب و ہوا اور واقعات کی بنا پر ردّو بدل ہو سکتا ہے۔ اسلام میں اجتہاد کا مسئلہ مسلم ہے۔ وہ شخص جو اس بات پر فخر کرے کہ وہ رسول مقبول

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں سے ہے۔ اُن کے پاؤں تلے کی خاک کی قسم اُٹھانا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھے۔ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھے۔ سرورِ دو عالم کو خاتم المرسلین جانے اسلام کی خاطر جان دینے پر تیار ہو۔ تو پھر اگر ہندوستان کے مسلمان یورپ کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسے اسلام سے دھکیلیں تو وہ اُن کی اپنی سمجھ کا قصور ہے اور اُن کی اس لغزش سے وہ کبھی بھی خارج اسلام نہیں ہو سکتا۔

اسلام فطرت کا مذہب ہے اس لئے اس کا کوئی خاص لباس نہیں ہو سکتا حروف کے بدل دینے سے وہ خارج از اسلام نہیں ہو سکتے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اس میں غلطی کی ہو مگر وہ بارہا اعادہ کر چکے ہیں کہ لاطینی حروف کے استعمال سے اُنکی تجارت میں سہولت ہوگی۔ وہ اپنی ضروریات کو ہم سے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ تجارت اتباعِ سنت ہے اور بے شک آج وہی قوم زندہ رہ سکتی ہے جس کی اپنی تجارت ہو۔

ہم اپنے فرائض میں کوتاہی کرینگے اگر اپنے محترم بھائی اور عزیز دوست خان محمد افضل صاحب بی اے ایل ایل بی۔ ای۔ اے سی کا شکریہ ادا نہ کریں کیونکہ انھوں نے نہایت محبت اور محنت سے مسودہ کو بنظرِ عمیق دیکھا اور پروفوں کو پڑھا۔ ہماری عقیدت ان سے نہایت پرانی ہے۔ وہ ہمارے بچپن کے ساتھ کھیلے ہیں ہمارے غمگسار ہیں مونس ہیں بھائی ہیں اور ان سب پر طرہ یہ ہے کہ وہ ہمارے دل کے بہت نزدیک ہیں۔

کے۔ اے۔ حمید
بیرسٹر ایٹ لا۔

سیالکوٹ ۲۴-۱۰-۳۵

دورِ اول

غازی مصطفیٰ کمال پاشا

تغیرات کا نام دنیا ہے۔ دنیا میں ایسے تغیرات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں کہ ایک عام فہم آدمی ان کو نہیں سمجھ سکتا۔ وہ انسان، جو تغیرات پیدا کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ باعث رحمت و برکت ہوتے ہیں بنی نوع انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے انسانوں کو خواہ وہ کسی ملک و ملت سے تعلق رکھتے ہوں ان کے عظیم الشان کارناموں کی بناء پر ان کی قدر کرے اور ان کے تجارب سے فائدہ اٹھائے اس لئے کہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

اس اصول کو ملحوظ رکھ کر ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ دُنیا کی جلیل القدر شخصیتوں کے حالات کو اُن اجمالی صُورت میں پیش کریں اور بتائیں کہ ان کے بلند حوصلوں کے سامنے آلام و مصائب کے بادل کس طرح چھٹ گئے۔ انہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے ویرانوں کو کیسے رشکِ ارم بنا دیا۔ اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر انہوں نے بنی نوع انسان پر کیا کیا احسانات کئے میدانِ وفا میں ان کی شمشیر آبدار بجلی کی طرح چمکی۔ وہ فتح مند ہوئے۔ وہ مغلوب ہوئے۔ وہ قید ہوئے وہ محبوس ہوئے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انہوں نے صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ دیا۔ انہوں نے غلامی کی زنجیروں کو کاٹ ڈالا جہالت کو دُور کیا۔ مُلک کے شیرازۂ منتشر کو یکجا کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے تاجداروں نے ان کا استقبال کیا اور مہذب دُنیا میں ان کا نام احترام سے لیا گیا لیکن ایسی شخصیتوں کے پیدا ہونے کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دُنیا ہر وقت ایسے ناموروں کے لئے چشم براہ رہتی ہے کیونکہ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

انسان کا اپنا وجود عالم اصغر ہے۔ اس کی ہستی میں آئے دن گونا گون تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ یہی تغیرات ہیں جو شخصیتوں سے گذر کر قوموں کے عروج و زوال میں ایک بڑی حد تک انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کے سب سے بڑے انسان کے متعلق ہم نے پہلی دفعہ سُنا کہ درۂ

دانیال پر اس نے کس طرح اتحادیوں کو شکستیں دیں۔ اسی انسان کے متعلق ہمیں بتلایا گیا کہ وہ راہزن ہے۔ ڈاکو ہے۔ چور ہے۔ قاتل ہے قافلوں کو لوٹ لیتا ہے۔ بچوں کو بیچ ڈالتا ہے۔ اس لئے واجب القتل ہے۔ اس کی اپنی قوم نے اسے پھانسی کی سزا کا مستوجب ٹھیرایا۔ اس کے سر کی قیمت تین لاکھ مقرر ہوئی۔ لوگوں کے دلوں میں ہوس نے چٹکیاں لیں۔ کہ کسی نہ کسی طرح تین لاکھ روپیہ کا انعام حاصل کریں مگر کسے معلوم تھا کہ ان کی زندگی قوم کو سکھا دے گی ے

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہین کا جگر پیدا

واقعات کو قرار نہیں۔ اسی انسان کی نسبت تھوڑے ہی دنوں کے بعد ہمیں بتلایا گیا کہ وہ مہذب ہے۔ ڈاکو نہیں۔ امن پسند ہے۔ راہزن نہیں نیک نہاد ہے چور نہیں۔ جوہروں کی قدر کرنے والا ہے۔ عیار نہیں۔ روشن خیال ہے۔ جاہل نہیں حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار ہے اس لئے واجب القتل نہیں۔

ارتقا کا نام دنیا ہے۔ واقعات آسانی سے فراموش کئے جا سکتے ہیں۔ اسی انسان کو آج دنیا کا سب سے بڑا انسان کہا جاتا ہے۔ شہنشاہ مُدبرین۔ وزرا علما مورخ اور مصنف اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اس کی زندگی کے ہر واقع کی جستجو کرنا ہر شعبہ علم کی خدمت تصوّر کرتے ہیں۔ اسی انسان کو حال ہی میں شہنشاہ جارج پنجم نے گیلی پولی کی تاریخ

کی ایک کاپی پیش کی اور سرورق پر سونے کے حرفوں سے ذیل کی پیشکش۔

"دنیا کے سب سے بڑے کمانڈر، فیاض دوست شریعت دشمن سرکار عالی غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے حضور میں ہم اپنی سچی دوستی کے ثبوت میں یہ کتاب ہدیۃً پیش کرتے ہیں"۔

مصنفوں نے اسے سکندر اعظم اور نپولین ثانی کے لقب سے ملقب کیا مگر اس کے جواب میں غازی نے انہیں لکھا "اگر واقعی تم میری عزت کرنا چاہتے ہو تو مجھے صرف غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے نام سے منسوب کرو"۔

جب ٹرکی پر مصائب کے کالے بادل منڈلا رہے تھے تو یورپ ہنستا تھا کہ بیمار ٹرکی اب آخری سانسوں پر ہے مگر اسے کیا معلوم تھا کہ

چھپا لیتی ہیں جب کالی گھٹائیں اس کو دامن میں
تو پھر عنوان رحمت گنبد دوار ہوتا ہے

الغرض یہ عظیم الشان ہستی ۱۲ مارچ ۱۸۸۱ء کو علی رضا کے ہاں پیدا ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام زبیدہ تھا چند ماہ گذرے کہ وہ ۸۲ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئیں۔ والدین نے ان کا نام مصطفےٰ رکھا۔ علی رضا یورپ کے رہنے والے روملی خاندان کے ایک فرد تھے۔ وہ سلونیکا میں محکمہ محصول کی ایک چھوٹی سی آسامی پر ملازم تھے۔ تنخواہ قلیل تھی۔ اور اس میں گذارہ کی صورت قریب ناممکن۔ انہوں نے استعفا دے کر تجارت

کی جانب رجوع کیا لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ زبیدہ دنیا میں اکیلی رہ گئیں۔ دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری ان کے سر پر سوار تھی۔ مگر اس عالی حوصلہ عورت نے صبر و اطمینان سے کام لے کر ان کی اس طرح پرورش کی کہ آج دنیا ان کے حسن تربیت کی داد دینے پر مجبور ہے۔

مصطفیٰ کمال رقمطراز ہیں "مجھے بچپن کے زیادہ واقعات یاد نہیں لیکن مجھے خوب معلوم ہے کہ والد مرحوم مصر تھے کہ میری تعلیم مغربی طریقہ پر کرائی جائے اور والدہ بضد تھیں کہ دنیادی تعلیم سے پہلے دینی تعلیم دی جائے۔ آخر والدہ اپنی ضد میں کامیاب ہوئیں اور طے پایا کہ تعلیم سے پہلے قرآن کریم پڑھوایا جائے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ بسم اللہ کی رسم کے دن مجھے بہت اچھے کپڑے پہنائے گئے۔ ہمارے ہاں عمدہ عمدہ کھانے پکے اور ایک حافظ صاحب مع اپنے شاگردوں کے ہمارے گھر تشریف فرما ہوئے۔ نماز ظہر کے بعد رسم ادا کی گئی۔ رسم کی ادائیگی کے بعد دیگر بچوں کے ساتھ میرا جلوس نکالا گیا۔ واپسی پر شام کا وقت کیا عمدہ وقت تھا۔ جب میری والدہ نے سربسجود ہو کر رب العزت سے گڑگڑا کر دعا مانگی "اے مشرق و مغرب کے سچے بادشاہ میرے اکلوتے بچے کی عمر دراز کیجو اور اس سے اسلام کی وہ خدمت لیجو کہ قومیں اس پر ناز کریں"۔

تقریباً ایک سال تک وہ اس مدرسہ میں جو مسجد سے ملحق تھا تعلیم پاتے رہے۔ پھر وہ شمس آفندی کے سکول میں جو یورپین لائین پر قائم تھا داخل

کرائے گئے۔ جب ان کا سن پانچ سال کا ہوا تو والد کا سایہ ان کے سر سے اٹھ گیا۔ وہ یتیم ہو گئے۔ ان کے چچا نے جو سلونیکا کے قریب ایک گاؤں میں رہتے تھے ان کی کفالت منظور کر لی۔ وہ انہیں اپنے ہاں لے گئے۔ ایک باغ میں جو ان کے چچا کی ملکیت تھی انہیں پھل دار درختوں سے جانور اڑانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ مگر کون جانتا تھا کہ قدرت اس ننھے کو مشاق بنا رہی ہے کہ ایک دن اسی طرح اسے پرانی ٹرکی کی لاش سے خطرناک جانوروں کو اڑانا ہوگا۔

مصطفےٰ کے والد کا خیال تھا کہ انہیں اس طور پر تعلیم دی جائے۔ کہ ان کی طبیعت ڈاکٹری کی طرف رجوع کرے۔ مگر قانون قدرت کسی کے بس کا نہیں۔ قدرت اس ننھے کو دیکھ دیکھ کر ہنستی تھی کہ یہ تو ملک کے عظیم روگ کا خاتمہ کر کے آزادی کی لہر ملک میں دوڑا دے گا۔ جب ان کا سن آٹھ سال کا ہوا تو انہیں خالہ کے ہاں سلونیکا کے ایک مکتب میں داخل کرایا گیا۔ اوائل عمر ہی سے مصطفےٰ نہایت خوش پوش تھے۔ صفائی کے وہ شیدائی تھے۔ اور لطافت ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

مدرسہ کے ابتدائی مراحل نہایت خوش اسلوبی سے گذرتے رہے وہ سکوت اور تنہائی کو از حد پسند کرتے۔ گھنٹوں اکیلے اپنے کمرہ میں بیٹھے سوچتے ان کے استادان کے اس رویہ کی داد دیتے وہ نہایت ذکی اور محنتی لڑکے تھے۔ اس لئے ان کے ساتھی ان کی دل سے قدر کرتے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ ٹرکی جمہوریت کے پہلے صدر

کے پہلے اُستاد نے صاف صاف کہہ دیا کہ ایسا ہونہار اور ذہین لڑکا اس نے عمر بھر نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ جب وہ مڈل کلاس میں تعلیم پاتے تھے تو ایک لڑکے سے ان کا جھگڑا ہو گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ ہاتھا پائی ہو کر گتھم گتھا ہو گئے۔ عربی کے اُستاد حافظ نامی نے انہیں دیکھ کر یہ رپورٹ کر دی کہ سارا قصور مصطفےٰ کا تھا۔ اور تمام کلاس کے روبرو انہیں اس قدر مارا کہ ان کے ہاتھوں اور بدن پر نیل پڑ گئے۔ اگرچہ ان کا کوئی قصور نہ تھا تاہم نہایت بردباری اور حوصلے سے انہوں نے مارپیٹ کو برداشت کیا وہ دل برداشتہ ہو کر اپنی والدہ کے پاس چلے گئے اور نہایت اندوہ سے کہا ؎

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلّا

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

والدہ کی منتوں اور سماجتوں کے باوجود وہ سکول واپس جانے پر رضامند نہ ہوئے۔ حتیٰ کہ انہیں ایک دُوسرے سکول میں داخل کرایا گیا۔ تعلیم جاری رہی اور انہوں نے انٹرنس کا امتحان امتیازی خصوصیت کے ساتھ اوّل درجہ میں پاس کیا۔

ان کے پڑوس میں ایک شخص میجر قدری بے رہا کرتے تھے جن کا لڑکا احمد نامی ملٹری کالج میں تعلیم پاتا تھا۔ مصطفےٰ اس کی سنہری روپہلی وردی دیکھتے تو انہیں رشک ہوتا۔ دل میں کڑھتے اور کہتے کاش میں بھی کسی طرح ملٹری کالج میں داخل ہو سکوں۔ وہ جب فوجی افسروں کی چست اور عمدہ وردی دیکھتے تو ایک جذبہ کے ساتھ اپنے ہم جولیوں سے کہتے میں یقیناً ایک فوجی افسر بنوں گا۔ اور ایسی ہی عمدہ وردی پہنوں گا"۔

انھوں نے اپنی والدہ سے ذکر کیا کہ وہ اپنی زندگی کی شاہراہ کے لئے فوج کو اپنا پیشہ بنانا چاہتے ہیں۔ غریب بوڑھی گھبرا گئی۔ اور کہا کیا یہ ممکن ہے کہ میرا غریب بچہ فوج میں بھرتی ہو کر لڑائی میں جائے اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ زندہ واپس آئے گا۔"

والدہ کے خیالات معلوم کرنے کے بعد اس چودہ سالہ بچے نے اپنے تمام معاملات کو والدہ سے مخفی رکھا۔ وہ اپنے والد مرحوم کے ایک دوست کے پاس جو فوجی پنشنر تھے گئے اور اپنی خواہشات کا ذکر کیا۔ وہ مصطفےٰ سے بہت ہمدردی سے پیش آئے اور ملٹری کالج کے گورنر سے ان کے لئے داخلہ کے امتحان کی اجازت طلب کی۔ مصطفےٰ نے اپنی والدہ کے علم کے بغیر جونیئر ملٹری کالج کے داخلہ کا امتحان دے دیا جس میں وہ کامیاب ہو گئے یہ عجیب بات ہے کہ اس ہونہار بچے نے اپنی زندگی کی شاہراہ بغیر کسی کے مشورہ کے اختیار کی۔ جب ان کی والدہ کو اس کا علم ہوا تو وہ بہت سٹ پٹائیں آخر ان کی بیٹی نے انہیں سمجھا بجھا کر تسکین دی اور کہا ؎

مقدر کا لکھا مٹا ہے کسی کا

ملٹری کالج کے طلباء کے کفیل سلطان المعظم تھے۔ اس لئے ان کی پوشاک رہائش اور خوراک کے وہ ذمہ دار تھے۔ کالج میں یہ قاعدہ تھا کہ وہ طلباء جو شرارتی یا سست ہوں انہیں کالج سے نکال دیا جاتا اور جتنی معیاد اس لڑکے نے وظیفہ حاصل کیا ہوتا اتنی معیاد اسے بطور سپاہی کام کرنا پڑتا۔ یہ قانون ایسی تلوار تھی جو ایک بال سے بندھی ہر وقت طلباء کے

سر پر لٹکتی رہتی۔ مصطفےٰ اس قانون سے بہت ڈرتے۔ اور نہایت کاوش سے
محنت کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے جذبات پر پورا اقتدار پالیا۔ ملٹری کالج
میں وہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگے۔ وہ جلد کالج میں مشہور ہوگئے
ان کے حساب کے پروفیسر نے جو فوج میں کپتان کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ ان کی
نسبت بانگ دہل کہہ دیا کہ مصطفےٰ کو ریاضی میں اس قدر دخل ہے۔ کہ دیگر
پروفیسر اسے عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی قابلیت پر حیران
ہوتے ہیں۔ پروفیسر مذکور کا خیال تھا کہ دنیا میں یہ شخص کمال حاصل کریگا اس لئے
اس کا نام مصطفےٰ کمال ہونا چاہیئے۔ اس دن سے وہ مصطفےٰ کمال کے نام سے
مشہور ہوگئے۔ ان کے شاندار چلن کی وجہ سے لڑکے اور پروفیسر ان کی دل
سے تعظیم کرتے تھے۔ ان کا سن صرف سترہ سال کا تھا۔ جب کہ وہ کالج میں سٹوڈنٹ
پروفیسر مقرر کئے گئے بحیثیت طالب علم جرمن عربی فارسی اور
فرانسیسی زبانوں میں انہیں خاصی دستگاہ تھی۔ وہ ابھی طالب علم ہی تھے کہ انہوں
نے والٹر اور روسو کو پڑھا۔ ان کے دل میں ایک قومی درد پیدا ہوا۔ وہ اپنے
ہم نام ملک الشعرا و قومی شاعر کی تصنیفات و کلام پڑھتے ہی چونک اُٹھے۔
ان کے دل میں ویسا ہی قومی جذبہ پیدا ہوا جو کہ مشہور و معروف جرنیل نلسن
کو ٹرافلگر کی لڑائی میں ہوا تھا۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ ان کی مادر وطن تباہ ہو
رہی ہے۔ بحیثیت طالب علم انہوں نے کوئی ایسا مظاہرہ نہ کیا جس سے ان
کے چلن پر کوئی حرف آتا۔ وہ ملٹری کالج کے امتحان میں اول رہے اور ان کو اعلیٰ
تعلیم کے لئے انتخاب کر کے جنگی کالج موناستر میں بھیج دیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب مونسٹر میں ایک ہیجان برپا تھا۔ فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ لوگوں کے جذبات کو ٹھیس لگ رہی تھی کہ دول یورپ کریٹ کو ترکی سے علیحدہ کر کے یونان کے حوالہ کیا چاہتی ہیں۔ آئندہ ہونے والے فیلڈ مارشل نے نہایت سکوت و اطمینان کے ساتھ حالات کا اندازہ لگایا وہ پختہ جرنیلوں کے ساتھ بحث و مباحثہ میں شریک ہوتا۔ ان کی سنتا۔ اپنی کہتا اور پیچیدہ پیچیدہ امور اس طور پر حل کرتا کہ تجربہ کار جرنیل انگشت بدنداں رہ جاتے ۱۸۹۷ء کے معرکہ کارزار میں جو یونان کے خلاف کریٹ کے بچاؤ کے لئے برپا ہوا۔ ہمارے نوجوان نے شمولیت کی یونان کی طرف سے ولی عہد کانسٹائن سپہ سالار تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ ۲۵ سال کے بعد یہ لڑکا پھر ان سے سینہ سپر ہوگا اور یونان کی تمام ہوسوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر ڈالے گا۔

۱۸۹۷ء میں ترکوں نے نہایت شاندار فتح حاصل کی اس لڑائی کے بعد مصطفےٰ کمال پھر کالج میں مصروف مطالعہ ہو گئے۔ وہ پانچویں درجہ میں تھے اور ان کا سن قریباً انیس سال کا تھا۔ وہ طلبا میں نہایت ہر دلعزیز تھے۔ ان کے ایک ہم جماعت کے تاثرات بیان کرنا خالی از لطف نہ ہوگا "مصطفےٰ ہمیشہ عام طلبا کی مجلس سے احتراز کرتے۔ ان کا کوئی دوست نہ تھا مگر تاہم وہ بہت ہر دلعزیز تھے لڑکے انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے۔ وہ کبھی کسی سے سختی سے پیش نہ آتے۔ عام لڑکے انہیں بلا وجہ اپنا سردار تصور کرتے۔ وہ بہت ہی مطالعہ میں مصروف رہتے۔ اور گھنٹوں سوچ بچار میں محو رہتے۔ ایک دفعہ ہم نے ان سے کہا تم ہماری کھیلوں میں شریک نہیں ہوتے ہر وقت

کچھ سوچتے رہتے ہو اور ہمیں نہیں بتلاتے کہ کیا معاملہ ہے۔ وہ مسکرائے اور کہا خدا کی قسم مجھے لہو ولعب پسند نہیں مگر میں دنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دوں گا۔

جب وہ ملٹری کالج میں تھے تو سال میں ایک دفعہ اپنی والدہ کو ملنے کے لئے تعطیلات میں گھر جاتے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ والدہ سے مجھے عشق تھا اور وہ مجھ پر جان نثار کرتی تھیں۔ مہربان والدہ محنت مزدوری کر کے ایک قلیل رقم ہر ماہ ان کے پاس بھیج دیتیں جو بسا اوقات ان کی تکالیف میں نہایت کارآمد ثابت ہوتی۔

ملٹری کالج کے ایام کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ طلباء میں ایک قسم کی رشک و حسد کی آگ جل رہی تھی۔ ہر طالب علم کی خواہش تھی کہ وہ اپنے ہم سبقوں سے سبقت لے جائے۔" منزل بمنزل علم کی تمام سیڑھیاں چڑھی گئیں۔ آخری امتحان میں وہ اول رہے۔ اور ان کے لئے فیصلہ ہوا کہ اگر وہ چاہیں تو حربیہ کالج قسطنطنیہ میں اپنی تعلیم کا اختتام کر سکتے ہیں۔

ایک سال تک وہ حربیہ کالج میں فن جنگ کے اصولوں پر عملی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان ایام میں ان کا رویہ اور چلن اس قدر عالی شان تھا کہ سلطان المعظم نے کالج کے افسروں کی رپورٹ پر انہیں شرف باریابی بخشا۔ اسی زمانہ میں مصطفےٰ کمال کا تعارف ایک شخص عمر ناسی سے ہو گیا جو اعلےٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ان کی صحبت سے

کمال کو بھی شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ مگر ان کے ایک معمر پروفیسر نے انہیں منع کیا۔ اور کہا کہ تم اپنا شاندار مستقبل ضائع کر لوگے قدرت نے تمہیں اس لئے نہیں بنایا کہ تم شعروں میں وقت گنواؤ۔ بلکہ تمہیں تو کارہائے نمایاں کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بہرحال انہوں نے پروفیسر کے مشورہ پر عمل کر کے شعر کہنا چھوڑ دیا۔ مگر فصاحت و بلاغت کو بطور فن حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے ؎

جب ان کا سن بیس سال کا تھا تو وہ فوج میں بطور افسر بھرتی کئے گئے ؎

باب دوم

اُمی بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او
واقف از سرِ نہانخانۂ تقدیر شدیم

فوج میں بھرتی ہوتے ہی مصطفیٰ کمال کو تمام ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوا۔ ان کے پہلو میں دل تھا اور دل قومی درد سے لبریز۔ وہ جان گئے کہ سلطنت عثمانیہ نام کی سلطنت ہے۔ اس کے تمام بال و پر شکستہ اور گستہ ہو رہے ہیں۔ بیمار یورپ کوئی دن کا مہمان ہے۔ اس لئے انہوں نے نہایت غور و خوض کے بعد تہیہ کر لیا کہ وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ملک کی تنظیم و ترتیب کرینگے۔ وہ قومی بربادیوں سے جلتے۔ وہ محسوس کرتے کہ پادشاہ وقت محض روپیہ کی ہوس میں قوم کو برباد کر رہے ہیں۔ وہ حکومت کے خلاف تقریریں کرتے اور کہتے ملک کو بے جا طور پر فروخت کیا جا رہا ہے۔ قوم تباہ ہو رہی ہے۔ رشوت ستانی کا بازار گرم ہے۔ ترک برباد ہو رہے ہیں۔ ہمارا ملک دن بدن کم ہو رہا ہے اور تمام خرابیاں باب عالی کی وجہ سے ہیں۔ جو بحیثیت خلیفۃ المسلمین باعث تعظیم و تکریم ہیں +

فوج کا کمانڈر جس میں وہ متعین تھے ایک بوڑھا تجربہ کار کرنیل تھا جو خود بھی اہلِ وطن تھا۔ وہ کہتا یہ نوجوان قومی جذبے سے سرشار اور شیدائی وطن

ہے۔ وہ ان کی ذہانت اور قابلیت کی داد دیتا اور ہمیشہ ان کی تقریروں کو تجاہل عارفانہ سے نظر انداز کر دیتا۔ مگر خفیہ پولیس کب ٹلنے والی تھی۔ پے در پے رپورٹیں دینا شروع کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ جنوری ۱۹۰۵ء کو مصطفیٰ کمال گرفتار ہو کر ایک تحقیقاتی کمیشن کے روبرو بمقام یلدیز پیش کئے گئے۔

انہوں نے کمیشن کے روبرو ایسا پرجوش بیان دیا کہ اہل کمیشن ان کی ذہانت۔ قابلیت۔ لیاقت اور قومی جذبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی رہائی کا حکم صادر کر دیا۔ مگر رہا ہونے کے چند ماہ بعد ہی پھر وہی لیل و نہار شروع ہو گئے۔ مصطفےٰ کمال نے ایک انجمن کی "وطن" کے نام سے بنیاد ڈالی۔ اس کے اصول تھے کہ حکومت کا مقابلہ کر کے قوم و ملت میں جو برائیاں ہیں ان کو رفع کیا جائے۔ رشوت کا قلع قمع کر دیا جائے۔ ملک کی تنظیم کی جائے۔ فوجوں کو باقاعدہ ترتیب دی جائے محکمے باضابطہ طور پر قائم کئے جاویں بادشاہ کے اختیارات محدود کر کے پارلیمنٹ کا افتتاح کیا جائے۔ چند دنوں کے اندر قریباً ایک سو سے زاید فوجی افسر اس کے ممبر ہو گئے۔ انہوں نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا اور اس میں وہ اجتماع کیا کرتے انہوں نے چند دنوں کے اندر اپنی تنظیم کر لی اور تمام انقلابی دستور العمل وضع کر لیا۔ انہی ایام میں کمال پاشا کا ایک ہم جماعت فتحی بے جو فوج سے برخاست شدہ تھا ان کے پاس آیا اور اپنی بیکسی مفلسی و ناداری کی کہانی دردناک طریقہ سے بیان کی فتحی بے نے نہایت عجز و انکسار سے انہیں یقین دلایا کہ وہ اپنے فوجی تجارب کی بنا پر وطن کے لئے ازحد مفید

ہوگا۔ہم جولیوں سے صلاح ومشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ فتحی بے کو ممبر بنالیا جائے اور انجمن کا مکان ان کی رہائش کے لئے پیش کیا جاوے چونکہ مکان خالی رہنے کی حیثیت میں مشکوک نگاہوں سے دیکھا جانے کا امکان تھا اس لئے فتحی بے نے مکان مذکور میں رہائش اختیار کی۔کچھ وقت تک "وطن" کے اجلاس مکان مذکور میں ہوتے رہے۔فتحی بے نہایت جوش سے اجلاس میں شرکت کرتے۔ایک دفعہ انھوں نے کمال سے کہا کہ میرے چند انقلابی دوست "وطن" کے ممبر بننا چاہتے ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ اجلاس کسی اور جگہ منعقد کیا جاوے۔طے پایا کہ ایک قہوہ خانہ میں جو شہر کے ایک طرف واقع تھا "وطن" کے اجلاس کا بندوبست کیا جائے۔فتحی بے اپنے انقلابی دوستوں کو لے کر وہاں پہنچ جائیں گے اور انجمن ان کے مشوروں پر عمل پیرا ہو کر ان کی رائے سے مستفید ہوگی۔انجمن کے تمام ممبر قہوہ خانے میں وقت متعینہ پر پہنچ گئے فتحی بے چند دوستوں کے ساتھ آئے تو سہی مگر خفیہ پولیس کو بھی ہمراہ لیتے آئے جس نے قہوہ خانہ کے تمام دروازے مسدود کر لئے اور تمام کے تمام اراکین کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بند کر دیا۔ان کو علحدہ علحدہ کوٹھڑیوں میں مقفل کیا گیا تاکہ وہ آپس میں مشورہ نہ کر سکیں۔

باب سوم

اصلِ پاک شہر یافتہ رنگے بود آن
نظرے کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم

اس وقت سلطان عبدالحمید تخت پر جلوہ افروز تھے "انجمن وطن" ناجائز اور خلاف قانون قرار دی گئی۔ وہ سکول جن میں آئین کے متعلق درس دیا جاتا تھا بند کئے گئے۔ وہ افسر جو دیگر ملکوں سے فن حرب سیکھ کر آئے تھے۔ انہیں نظر بند کیا گیا بحری جہازوں کے افسروں کو موقوف کیا گیا اور عمدہ عمدہ جنگی جہاز بندرگاہوں میں بند کئے گئے سلطان المعظم کے متعلق کسی قسم کی گفتگو کرنا جرم قرار دیا گیا۔ وہ تمام اصلاحات جو رائج تھیں واپس لے لی گئیں اور ہر ممکن کوشش کی گئی کہ لوگوں کے دلوں سے آئین اور پارلیمنٹ کا خیال حرف غلط کی طرح ہمیشہ کے لئے مٹ جائے مگر وہ کیا جانتے تھے کہ

کیونکر بجھے گی آگ یہ گھر گھر لگی ہوئی

بادشاہ کی اپنی زندگی نہایت خندوش تھی۔ انہیں ہر وقت زندگی کا خطرہ دامنگیر رہتا۔ دن کو وہ قیدیوں کی طرح محل میں بند رہتے رات کا اکثر حصہ جاگتے اور ہر رات خوابگاہ کو تبدیل کرتے۔ خفیہ پولیس کی تعداد میں

ایک نمایاں اضافہ کیا گیا۔ ملکی محکمجات بند تھے اور تمام خزانہ خفیہ پولیس پر خرچ کیا جا رہا تھا۔ استنبول میں ضرب المثل تھی کہ باپ پر بیٹا اور ماں پر بیٹی جاسوسی کے لئے متعین ہیں۔ شک و شبہ انتہائی مدارج پر پہنچے ہوئے تھے ایک دفعہ جنرل فواد پاشا شرف یابی کے لئے حضور میں حاضر ہوئے اتفاقاً ان کا پاؤں لڑکھڑا گیا۔ بادشاہ سمجھے کہ ہم پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ وہیں سے فوراً گولی چلا دی۔ خیر گذری کہ جرنیل زخمی نہ ہوئے اور بال بال بچ گئے۔

مصطفےٰ کمال کے مقدمہ کی ایک زمانہ تک سماعت ہوتی رہی زبیدہ قسطنطنیہ پہنچ چکی تھیں۔ انہیں اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے بچہ کو دیکھ سکیں وہ بچے کے فراق میں دن رات روتیں اور بقول مصطفےٰ کمال اس رونے کی وجہ سے ان کی بینائی پر ایک خاص اثر ہوا ملٹری کالج کے پرنسپل رضا پاشا نے کمال کے مقدمہ میں مداخلت کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تمام ماجرا ناتجربہ کاری کی وجہ سے برپا ہوا ہے۔ اور اگر مصطفےٰ کمال کو سزا دی گئی تو فوج ہمیشہ کے لئے ایک اعلیٰ۔ لائق اور ہونہار افسر کی خدمات سے محروم ہو جائے گی۔ رضا پاشا نہایت بارسوخ اور ہر دلعزیز شخص تھے باب عالی ان کی رائے کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے انہوں نے اس زور اور جذبہ سے کمال کی سفارش کی کہ باب عالی انکار نہ کر سکے اور فرمان جاری کیا کہ "ملزموں کو معاف کر کے سلطنت کے دور دراز علاقے میں متعین کیا جائے تاکہ وہ آئندہ کے لئے کسی قسم کی شرارت نہ کر سکیں اور ان کی واپسی قریب ناممکن ہو۔"

فرمان کی اشاعت کے چوبیس گھنٹہ بعد مصطفےٰ کمال کو حراست میں

جہاز پر لے جانے کے لئے لے جا رہے تھے۔ اُن کی بیکس والدہ برقعہ پہنے کچھ فاصلہ پر ان کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی اسے یہ بھی اجازت نہ تھی کہ اپنے اکلوتے بیٹے سے دو باتیں کر سکے۔ وہ ساحل پر کھڑی کبھی آسمان کی طرف دیکھتی اور کبھی اضطراری دزدیدہ نگاہیں اپنے بچہ پر ڈال کر اس کی سلامتی اور واپسی کی دعائیں مانگتی۔ جوں جوں جہاز نظروں سے اوجھل ہوتا جاتا بیچاری زبیدہ کے دل میں تلاطم خیز موجیں اُٹھ اُٹھ کر بحر بیکراں پیدا کرتیں۔

اسی دن کی طویل مسافت کے بعد جہاز بیروت میں ٹھیرا۔ اور نوجوان کمال کو دمشق کی طرف روانہ کیا گیا۔ وہ ایک فوج میں جو وہاں مقیم تھی بطور کپتان متعین کئے گئے۔ یہاں پہنچ کر بھی انہوں نے اپنا انقلابی پروپیگنڈا پھر جاری کر دیا۔ ایک انجمن فادرلینڈ کے نام سے قائم کی۔ انجمن کے اغراض و مقاصد بجنسہٖ "وطن" کے سے تھے اور ملک میں حب الوطنی کے خیالات کی اشاعت فرضِ اولین تھا۔ چند مہینوں کے اندر اندر انجمن مذکور کی شاخیں۔ بیروت۔ جافہ۔ یروشلم۔ بصرہ اور بغداد میں قائم ہوگئیں۔ چونکہ شام سے قسطنطنیہ کا فاصلہ بہت دور تھا۔ اس لئے نہایت بے باکی سے وہ اپنے مشن کے اغراض و مقاصد کی تلقین کرنے لگے۔ ان کا یقین تھا کہ حکومت عثمانیہ ختم ہو چکی ہے اور اقتصادی طور پر جان بلب ہے۔

صوبہ شام کا وائسرائے ایک ترک تھا۔ اور وہ علی الاعلان کہتا کہ میرا فرض محض ٹیکسوں کا اکٹھا کرنا ہے اور دیکھنا ہے کہ ملک میں بغاوت برپا نہ ہو مجھے اس سے سروکار نہیں کہ ملک کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ مجھے اس سے

واسطہ نہیں کہ لوگ بھوک کے مر رہے ہیں۔ اندریں حالات کمال پاشا کی تلقین لوگوں کے دلوں پر ایک خاص قسم کا اثر کرتی اور عوام کی طبیعتیں بہت جلد اثر پذیر ہوتیں ۔

انہیں ایام میں قوم دُروس میں بغاوت برپا ہو گئی۔ حکومت جان چکی تھی کہ سوائے کمال کے اور کوئی شخص اسے فرو نہیں کر سکتا۔ اس لئے بغاوت کو ختم کرنے کے لئے خاص طور پر ان کا تقرر کیا گیا۔ اس سلسلے میں انہیں بیت المقدس یروشلم اور حلب کئی ایک دفعہ جانا پڑا۔ انہوں نے اس قابلیت کے ساتھ مہم کو اپنے ہاتھ میں لیا کہ چند مہینوں کے اندر بغاوت کو ختم کر کے حالات پر پورا پورا قابو پا لیا ۔

دمشق میں کمال پاشا کے مشن کو کافی اقتدار حاصل ہو گیا۔ جب وہ جان چکے کہ شام میں ان کے قدم اچھی طرح جم چکے ہیں۔ ان کی اشاعت و تبلیغ کا گہرا اثر ہو چکا ہے تو انہوں نے جنرل شکری پاشا کی وساطت سے اپنا تبادلہ سقدونیہ کرا لیا جو کہ انقلابی پارٹی کا مرکز تھا۔ یہاں پہنچ کر ان کی پر جوش طبیعت کو سکون نہ ہوا وہ دن رات نئی انجمن بنانے کی فکر میں رہتے تاکہ باقاعدہ طور پر وہ اپنے اغراض و مقاصد کی تلقین کر سکیں وہ اسی دھن میں تھے کہ انہیں ایک پرانے رفیق کے ذریعہ ایک خفیہ انجمن اتحاد و ترقی کے وجود کا پتہ چلا اور اسی دوست کی وساطت سے وہ اس کمیٹی کے بھی ممبر بن گئے ۔

انجمن اتحاد و ترقی تمام خفیہ کمیٹیوں سے زبردست اور اہم انجمن تھی۔ یہ بمقام پیرس معرض وجود میں لائی گئی تھی اور اس کا مرکز بھی

وہیں تھا مصنف۔ مورخ۔ ادیب۔ جرنلسٹ۔ پروفیسر۔ ڈاکٹر اور وکیل جو ترکی سے جلا وطن ہو کر پیرس میں مقیم تھے اس کے بانی اور ممبر تھے۔ انجمن کے سردار احمد رضا بے تھے جو نہایت ذکی۔ ذی ہوش۔ عالم اور عقلمند انسان تھے۔ وہ "شوریٰ" جو پارٹی کا اخبار تھا۔ پیرس سے چھپوا کر ترکی میں مفت تقسیم کرنے کے لئے خفیہ طور پر بھیجتے۔ اور کمال پاشا اسے جا بجا فوجوں میں تقسیم کرا دیتے۔

دوسری پارٹی جو انقلابی کام کرنے میں مصروف تھی اس کا مرکز برلن تھا۔ پارٹی مذکور کے لیڈر صباح الدین تھے جو سلطان عبدالحمید کے بھتیجے تھے۔ اس پارٹی کے اکثر ممبر سابق وزرا اور مدبر تھے جو ترکی سے بھاگ کر برلن میں جمع ہو گئے تھے۔ پارٹی کا نام لبرل پارٹی تھا۔

علاوہ بریں بہت سی چھوٹی چھوٹی انقلابی پارٹیاں ہر ضلع میں موجود تھیں مگر ان سب کی روح رواں کمال پاشا تھے۔ ان ممبروں میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ایک شخص طلعت تھے جو اس وقت ڈاکیہ کی اسامی سے ترقی کرتے کرتے تار بابو بن گئے تھے۔ یہ وہی طلعت تھے جو لبعد میں مشہور و معروف وزیر اعظم ہوئے بہت سے فوجی افسر ضلعوں کی پارٹیوں کے ممبر تھے اور ان میں سے اکثر جرمنی کے تعلیم یافتہ تھے۔

یہ پارٹیز لاج کے طریقہ پر بنائی ہوئی تھیں۔ ممبر نہایت ہی غور و پرداخت کے بعد بنائے جاتے تھے۔ اور ہر وہ ممبر جو نیا ممبر بنوانا چاہتا۔ اس کو ضمانت دینی ہوتی کہ نیا ممبر نہایت قابل وثوق و اعتماد ہے۔ اگر اس سے کوئی ایسی بات
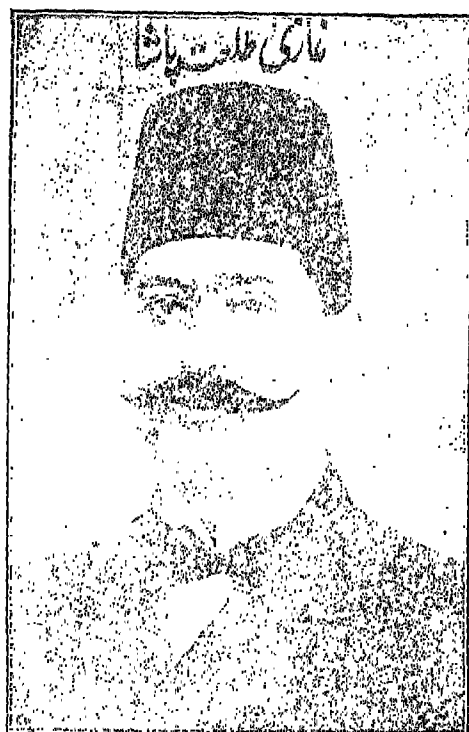
غازی طلعت پاشا

سرزد ہو جو پارٹی کے لئے مضر ہو تو وہ ممبر جس نے اس کا تعارف کرایا ہوتا مستوجب سزا ہوتا۔ ہر ممبر کی واقفیت چار اشخاص سے زاید نہ ہوتی سوسائٹی کے اعلیٰ رکنوں کا عام ممبروں کو پتہ نہ چلتا۔ ہر ممبر کا فرض تھا کہ بلا چون وچرا کمیٹی کے احکام کی تعمیل کرے۔ ہر ممبر کو قرآن پر وفاداری کا حلف لینا ہوتا۔ اور ملزم ممبر ایک خفیہ عدالت کے سامنے پیش کئے جاتے۔ ان ایام میں انگلستان اور ٹرکی کے مابین عقبہ اور جزیرۃ العرب کے متعلق جھگڑا پیدا ہوا۔ کمال کو مقدونیہ سے عقبہ تبدیل کیا گیا۔ اس وقت یہ عام خیال پیدا ہو گیا تھا۔ کہ اس ٹیڑھے سوال کو حل کرنے کے لئے کمال سے بڑھ کر اور کوئی بہتر آدمی نہیں کمال نے نہایت تن دہی اور جاں فشانی سے کام کیا۔ اور اپنے پاؤں اس طور پر جمائے کہ عقبہ میں ترکوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ جھگڑے کے تصفیہ کے بعد انہیں پھر دمشق تبدیل کیا گیا۔ دمشق پہنچ کر انھوں نے تمام پولیٹیکل انجمنوں سے قطع تعلق کر کے اس طور پر کام کیا کہ تمام افسران کی تعریف کے راگ الاپنے لگے۔ افسران بالادست نے ایسی پرزور سفارش کی کہ وہ لفٹننٹ میجر بنائے گئے اور جلاوطنی کی بقیہ میعاد ختم کر دی گئی۔ مصطفےٰ کمال کو ان کی خدمات کے صلہ میں دمشق سے حلب تھرڈ آرمی کور میں ان کی خواہش کے مطابق تبدیل کیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب ریاست ہائے بلقان میں لڑائی کی آگ سلگنے والی تھی۔ مختلف علاقے ٹرکی کی حکومت سے نکل نکل کر یا تو آزاد ہو رہے تھے یا دوسری ملحق سلطنتیں ان پر قبضہ جما رہی تھیں۔ وہ متواتر دن رات

سفر میں رہتے تاکہ ملکی انتظام کرکے بدامنی پر قابو پا سکیں۔ وہ شام بیت المقدس، حلب اور جزیرۃ العرب کے مختلف مقامات پر جاتے اور لوگوں کو کہتے کہ کسی ملک کی اپنی بُری حکومت دوسرے ملکوں کی بہترین حکومت سے بہتر ہے۔ وہ غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ بدی کی جڑ شخصی حکومت ہے اور جب تک اس حکومت کا خاتمہ نہ کیا جاوے ملک میں امن ہونا ناممکن ہے۔ اس احساس کے آتے ہی انہوں نے از سرِ نو سلطان عبدالحمید کی حکومت کے خلاف باقاعدہ طور پر جنگ کی ٹھان کر اپنا پروپیگنڈا شروع کیا۔

ہیڈ کوارٹرز اسٹاف میں متعدد افسر مصطفےٰ کمال کے ہم خیال تھے۔ ان کی زیرِ سرپرستی دنگرا (؟) ایک انجمن قائم کی گئی۔ انجمن کے اغراض و مقاصد بیت المقدس اور شام میں انقلاب کا پیدا کرنا تھا۔ لیکن انجمن کوئی اہم کام نہ کر سکی اور اس کی سرگرمی محض بانیانِ انجمن تک محدود رہی۔

مصطفےٰ کمال کی مقدونیہ پہنچنے کی تڑپ کسی طور پر پوری نہ ہو سکی۔ ان ایام میں سلونیکا میں انقلابیوں کا سکہ تھا۔ شکری پاشا سلطان المعظم کے خاص مقربوں میں سے تھے اور کمال پاشا کی راہ و رسم ان سے خاصی تھی۔ اس لئے ان کی وساطت سے انہوں نے اپنا تبادلہ سالونیکا کرانے کی ٹھان لی۔ وہ بغیر رخصت حاصل کئے براستہ یونان اور مصر سالونیکا چل پڑے۔ انہوں نے اپنا بھیس بدلا ہوا تھا۔ شام کے وقت وہ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ شکری پاشا انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے اور ان کے اس طور پر آنے کو بنظر استحسان نہ دیکھا۔ د(؟) بظاہر ان سے بگڑے۔ اور

کہا کہ وہ ان کی تبدیلی کے معاملے میں قطعی طور پر ان کی کوئی مدد نہیں کرینگے ۔

مصطفےٰ کمال کو اس سے بہت مایوسی ہوئی۔ مگر تاہم وہ کچھ وقت سلونیکا میں رہے اور ایک خفیہ انقلابی پارٹی کی بنیاد ڈالی۔ ان کا ارادہ تھا۔ کہ انجمن کے اغراض و مقاصد شام کی انجمن کے مطابق ہوں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی زبردست طاقت ان کے خلاف کام کر رہی ہے۔ وہ محسوس کرتے گویا تمام دنیا ان کی مخالف ہے اور بڑی غور سے ان کی غور و پرداخت کی جارہی ہے۔ وہ مایوس ہو کر سلونیکا سے واپس چلے گئے اور اپنی فوج میں جا شامل ہوئے ۔
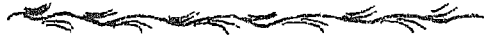
باب چہارم

نکتۂ عشق فرو شست دل پر حرم
در جہاں خوار باندازۂ تقصیر شدیم

ملکی حالات دن بدن بدتر ہو رہے تھے۔ انگلستان اپنی نو آبادیوں کے بڑھانے میں منہمک تھا اور مصر کے بارے میں فرانس سے گفت و شنید کر رہا تھا مصر کے عوض فرانس مراکش پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ روس جاپان سے شکست فاش کھا کر اپنا جوش بلقان اور قسطنطنیہ کے قبضہ سے پوری کرنے پر آمادہ تھا۔ بالآخر ۱۹۰۴ء کا مشہور و معروف عہد نامہ ہوا اور کچھ عرصہ کے لئے تمام طاقتوں کی تگ و دو ختم ہو گئی۔

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم جوان ایام میں بہت ہر دلعزیز سمجھے جاتے تھے اس سلسلہ میں مختلف ملکوں کا سفر کر رہے تھے۔ انہوں نے مقدونیہ کے معاملات میں گہری دلچسپی لینی شروع کر دی۔ چنانچہ انہوں نے تجویز کی کہ مقدونیہ پر ایک کمیٹی کے ذریعہ حکومت کی جاوے۔ مگر سلطان نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ بالآخر مغربی طاقتوں نے اپنے بحری جہازوں کے زور سے اس تجویز کو سلطان سے منظور کروا لیا سنہ ۱۹۰۸ء میں جب سلطان کی کوئی پیش نہ چلی تو انہوں نے مصطفیٰ کمال

کا تبادلہ مقدونیہ کر دیا۔

مقدونیہ سے ان کا تبادلہ تھرڈ آرمی کور میں سلونیکا کیا گیا۔ علاوہ دیگر فرائض کے وہ اس ریلوے کے جو سلونیکا سے مقدونیہ جاتی تھی انچارج تھے۔ اس فرض کی انجام دہی کے لئے انھیں اکثر سفر کرنا پڑتا اور اس لئے وہ سنٹرل انقلابی کمیٹی جس کا سلونیکا میں مرکز تھا اس کی شاخیں دیگر شہروں میں باسانی قائم کرنے میں کامیاب ہوتے، اگرچہ ان ایام میں کمال پاشا ینگ ٹرکش پارٹی کے روح رواں تھے۔ مگر وہ ہر کام نہایت احتیاط سے سر انجام دیتے تاکہ حکومت کے کسی فرد کو ان پر شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔

ان کی والدہ کا واقعہ یہاں درج کرنا خالی از لطف نہ ہوگا۔ اُن کے مکان پر اکثر انقلابی پارٹی کے اجلاس ہوتے۔ کمال پاشا بذات خود رقمطراز ہیں "میری والدہ کو قطعی طور پر علم نہ تھا کہ میں کسی انقلابی پارٹی کا ممبر ہوں اور حکومت کو الٹ دینے کی تجاویز میں مصروف ہوں۔ میری والدہ نہایت احترام کی نگاہ سے خلیفۃ المسلمین کو دیکھتیں۔ ہم بالائی منزل میں مصروف ہوتے تھے ایک دفعہ جب آدھی رات کے وقت میں خوابگاہ میں آیا تو میری والدہ وہاں میری منتظر بیٹھی تھیں۔ انہوں نے نہایت استعجاب سے مجھ سے دریافت کیا۔

"پیارے کمال کیا یہ سچ ہے کہ تم واقعی امیر المومنین کے خلاف بغاوت برپا کرنے پر آمادہ ہو؟"

میں نے نہایت دھیمی آواز سے کہا۔

امی یہ درست ہے آپ نہیں جانتی کہ کس طور پر بادشاہ ملک کو

برباد کر رہے ہیں۔ وہ ہوس کے لئے ملک کے حصے بخرے کرانے کو تیار ہیں اور میں آپ سے حلفاً کہتا ہوں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں حب الوطنی کے جذبہ سے متاثر ہو کر کر رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ میں اپنے ملک کی ایک انچ زمین غیر کے قبضہ میں نہیں دیکھ سکتا اور رب العزت سے میری دعا ہے کہ قادر مطلق خدا خود غرضی کے احساس آنے سے پہلے مجھے اس دنیا سے اُٹھا لے۔

میری ماں زار زار رونے لگیں اور کہا "تم میرے لئے دنیا کا مال و متاع ہو۔ اگرچہ تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ مگر میں آقائے نامدار کی قسم لے کر کہتی ہوں کہ اگر تمہاری جان ملک و ملت کے لئے قربان ہو تو میں درگاہ ایزدی میں دوگانہ ادا کروں گی۔ بیٹا خدا تمہارے ساتھ ہو اور تمہارے ارادوں میں برکت دے۔ جب تم پیدا ہوئے تھے تو میں نے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اے مشرق و مغرب کے مالک میرے بچے کو دنیا میں کامیاب کرنا اور ملک و ملت کے لئے اس سے وہ کام لینا جس پر آنے والی نسلیں ہمیشہ ناز کریں بیٹا ہوس اور خود غرضی کو کبھی پاس نہ بھٹکنے دینا۔ قوم و ملت کے لئے جو موت آئے اس سے مرعوب نہ ہونا۔"

اس دعا کے بعد میری والدہ نے مجھے وضو کرنے کو کہا اور ہم دونوں مالک حقیقی کے روبرو سر بسجدہ ہوئے۔ اس وقت کے بعد میری والدہ اور ہمشیرہ دونوں میرے ارادوں میں میری مونس و غمگسار ہو گئیں اور مجھے ایسی ایسی سہولتیں بہم پہنچائیں کہ میرے لئے ان کا تفصیلاً بیان کرنا مشکل ہے

والدہ غازی مصطفی کمال پاشا

ملکم نہیں ہے۔
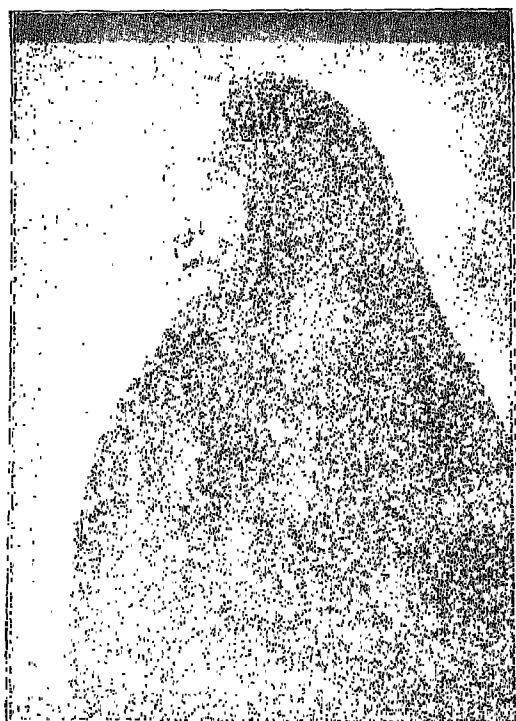
۱۹۰۸ء کے آغاز میں ڈاکٹر ناظم نے پیرس سے حالات کا معائنہ کرنے کے لئے سلونیکا تشریف لائے۔ وہ سنٹرل انقلابی کمیٹی کے صدر تھے جس کا مرکز پیرس میں تھا۔ انہوں نے حالات دکوائف کا بنظر غائر ملاحظہ کیا اور کہا کہ سیکنڈ آرمی کور اڈریانوپل میں بہت کم انقلابی پروپیگنڈا ہوا ہے۔ ایشیائے کوچک اور اناطولیہ میں ابھی پروپیگنڈا شروع ہی نہیں ہوا۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ کم از کم ایک سال تک پروپیگنڈا نہایت شد ومد سے جاری رکھا جاوے فوجوں اور عوام کو ایک عظیم انقلاب کے لئے تیار کیا جاوے۔

اس اثناء میں یوروپین پالیسی ٹرکی کے متعلق دن بدن ظالمانہ ہو رہی تھی فروری ۱۹۰۸ء میں اسٹرین وزیر اعظم ہز بان ارنتھل نے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ وہ بوزنیس ریلوے کی وسعت کرنا چاہتے ہیں تاکہ سلونیکا میں براستہ سمندر پہنچا جا سکے روس نے اس قسم کی ایک ریلوے براستہ نیش جنوب کی طرف بنانے کا عزم مصمم ظاہر کیا تمام یوروپ اس بات پر تلا ہوا تھا کہ ٹرکی کو یوروپ سے نکال کر اس کے تمام مقبوضات پر قبضہ کر لیا جائے۔ انجمن اتحاد وترقی نے فیصلہ کیا کہ ایک مراسلہ تمام یوروپین وزارتوں کو بھیجا جائے کہ وہ اس قسم کے ارادوں سے باز رہیں ترکوں کی آنکھیں انگلستان کی طرف لگی ہوئی تھیں کیونکہ اسکے مقبوضات میں کثیر التعداد مسلمان آباد تھے، شاہ ایڈورڈ ہفتم اور زار نکلسن دوئم میں بمقام رویل مجلس مشاورت ہوئی اور طے پایا کہ مقدونیہ کو قبضہ میں لیکر وہاں یوروپین مسیحی حکومت قائم کی جاوے مگر کمال اور انور بے نے عزم بالجزم کیا کہ وہ اپنے خون کا آخری قطرہ مقدونیہ کے بچاؤ کیلئے بہا دینگے۔

انقلاب ۱۹۰۸ء

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۱۹۰۸ء میں انقلاب کا آغاز عجب ہیبتناک طور پر ہوا۔ اس کے متعلق کہا گیا کہ یہ محض چند شریر فوجی افسروں کی بغاوت ہے مگر اسکے اختتام پر اسے ایک قومی کامیابی تصور کیا گیا۔ سلطان المعظم کو بخوبی علم تھا کہ ملک میں جا بجا انقلابی انجمنیں قائم ہیں۔ اگر وہ دور اندیشی سے کام لیتے تو یقیناً تمام بغاوت و غدر کا خاتمہ ہو سکتا تھا مگر بجائے اسکے کہ وہ ملک میں آئینی حکومت قائم کر کے جبر و استبداد کا خاتمہ کر ڈالتے۔ انہوں نے جبر و استبداد سے حب الوطنی کا گلا گھونٹنا چاہا۔ انہوں نے خفیہ انجمنوں کا پتہ چلانے کے لئے جاسوس مقرر کئے۔ اور خزانوں کے منہ کھول دئیے۔

ریول کی کانفرنس کے بعد سالونیکا کی انقلابی انجمن کی مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا کہ مقدونیہ میں ایک عظیم بغاوت بپا کی جاوے۔ انہوں نے سنٹرل کمیٹی آف پیرس سے مشورہ کرنا محض تضیع وقات خیال کیا۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس بارے میں اقدام کیا وہ میجر نازی بے تھے۔ ترکی میں عام طور پر انہیں گیری بالڈی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ وہ کمال کے خاص عزیز دوستوں میں سے تھے۔ وہ کمال پاشا کی صلاح کے مطابق چند سو

سپاہیوں کو لے کر منستر کے پہاڑوں میں جا گھسے اور حکومت کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ پہاڑوں کے رہنے والے سپاہیوں نے ان کی حمایت کا فیصلہ کیا اور ان سے جا ملے۔ انور بے اپنے تمام ہمراہیوں اور ساتھیوں کے ساتھ میجر نازی بے کے جھنڈے تلے آ پہنچے۔

بادشاہ خوش تھے کہ آخر حکومت کو بغیر وقت کے غداروں کا پتہ چل گیا۔ اور اب انہیں سزا دینا آسان بات ہے حسین حلمی پاشا صوبہ رومیلا کے گورنر جنرل تھے۔ اور چونکہ وہ خود نوجوان تھے۔ اور ان کی ہمدردی ینگ ترکش پارٹی سے تھی اس لئے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا اس لحاظ سے شمسی پاشا کو جو سلطان عبدالحمید کے مقربوں میں سے تھے اس مہم پر مامور کیا گیا تمام انقلابی انجمنوں کے دفتروں پر پولیس نے چھاپا مارا اور اٹھتیں نوجوان ترک افسروں کو گرفتار کیا گیا۔ انجمنیں ناجائز اور خلاف قانون قرار دی گئیں مگر اس کا چنداں فائدہ نہ ہوا شمسی پاشا جو اس مہم کے انچارج تھے منستر کی مارکیٹ میں دن دھاڑے گولی کا نشانہ بنائے گئے اور کسی شخص نے ان کے قاتل کو گرفتار کرنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی حکومت کی فوجوں میں بھی بیداری ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ دل سے بغاوت کے فرو کرنے میں کشمکش نہ کرتے تھے۔ بعض کمپنیوں نے گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ بغاوت کی آگ دن بدن زیادہ بڑھنے لگی۔ کمال پاشا اپنے ہمراہیوں کو سامان رسد وحرب باقاعدہ طور پر بہم پہنچاتے۔ اور ان کے بچاؤ کے لئے تمام داؤ پیچ کھیلتے ملک کے اندر رہ کر سپاہیوں میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا

کرتے۔ باغیوں کے خلاف لڑنا اور انہیں گولی کا نشانہ بنانا خلاف شریعت و خلاف مذہب بتاتے۔ باب عالی دن بدن مایوس ہونے لگے۔ انہوں نے میجر نازی اور انور بے کو پیغام بھیجے کہ اگر وہ ہتھیار ڈال کر باب عالی کے پاس چلے آئیں تو ان دونوں کو فوراً جرنیل بنا دیا جائیگا اور اس کے علاوہ لاکھوں روپیہ کی جاگیر مرحمت ہوگی۔ مگر انہوں نے صاف جواب دیا کہ

یہ وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے

وہ آگ جو مقدونیہ سے سلگی تھی سانڈریانوپل اور تھریس میں پوری طاقت کے ساتھ جلنے لگی۔ سیکنڈ آرمی کور نے بھی باغیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے صاف انکار کر دیا اور متعدد کمپنیاں مع سامان حرب باغیوں سے جاملیں۔ سمرنا سے بعض فوجیں بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بھیجی گئیں۔ اور سپاہیوں کے دل بڑھانے کے لئے انہیں تین تین ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی گئی۔ اسی جہاز پر ڈاکٹر ناظم بے بھیس بدلے ہوئے موجود تھے۔ راستے میں انہوں نے وہ فسوں پھونکا کہ منزل مقصود پر پہنچتے ہی فوجیں باغی ہوکر باغیوں سے جاملیں۔

تیئس جولائی ۱۹۰۸ء کو سلطان المعظم نے محل یلدیز میں۔ وزیر اعظم اور دیگر امرا۔ وزرا و اکابرین سلطنت کو مشورت کے لئے طلب فرمایا۔ ان کے علاوہ ان تمام عہدہ داروں کو جو گذشتہ بیس سال میں سلطنت کی خدمات انجام دے چکے تھے دعوت نامے ارسال ہوئے۔ متعدد جرنیلوں نے شمولیت کی۔ وزیر اعظم فرید پاشا مجلس مشاورت کے صدر منتخب ہوئے

سے بادشاہ ایک پردے کے پیچھے چھپ کر کارروائی سنتے رہے۔ معاملہ پیش ہوا اور فرداً فرداً رائیں لی گئیں کہ حالات کے ماتحت کیا کرنا چاہیئے۔ ہر ایک کو احساس تھا کہ آئینی حکومت کی بنیاد ڈال دی جائے مگر کسی شخص کو سوائے مصطفے کمال کے کہنے کی جرأت نہ تھی۔ بہت دیر تک کارروائی جاری رہی اور آخر اسے فضول سمجھ کر مجلس کو برخاست کیا گیا۔

دن بدن مقدونیہ کی بغاوت کامیاب ہو رہی تھی تھیں جولائی کو جب حکومت اور باب عالی مجلس مشاورت کی کارروائی میں مشغول تھے تو ادھر منستر میں مہاجر نازی بے باجوں کی گرج کے ساتھ داخل ہوئے۔ اکیس توپوں کی سلامی سر کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ ٹرکی کی آئندہ حکومت پارلیمنٹ کے ذریعہ سے ہوگی۔ انقلابیوں نے اعلان کر دیا کہ آئندہ حکومت کا دار السلطنت سالونیکا ہوگا۔ حکومت کے پولیس افسر اعلیٰ نے ان اشتہارات کو اتارنے کی کوشش کی مگر وہ گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ رفتہ رفتہ لوگ جو گھروں میں بند تھے باہر نکلنے شروع ہوئے۔ انقلابی لیڈر لوگوں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے آئینی حکومت کے متعلق درس و تدریس دیتے۔ میونسپل کمیٹی نے بھی انقلابی پارٹی کی حکومت کے آگے سر تسلیم خم کیا۔

بادشاہ وقت نے ضرورت سے متاثر ہو کر سعد اور کمال پاشا سے جو دو پرانے وزیر اعظم تھے مشورہ کیا اور اعلان کر دیا کہ از سر نو آئینی حکومت قائم ہوگی اور پارلیمنٹ کی وساطت سے تمام کام سرانجام دیئے جائینگے فرید پاشا وزیر اعظم مستعفی ہوئے اور مکار سعد پاشا کو قلمدان وزارت

سپرد ہو کر ہدایت ہوئی کہ وزارت مرتب کی جائے۔ اسی شام کو تمام ملک میں بذریعہ ٹیلیگراف مشتہر کیا گیا کہ آں حضور باب عالی نے ۱۸۷۶ء کا آئینی دستور العمل پھر رائج کر دیا ہے۔

سالونیکا میں شام کے وقت "آزادی کے چوک" میں ایک عظیم اجتماع ہوا۔ ایک سکان کے پیچھے پر بہت سے فوجی افسران کے علاوہ انور اور کمال بھی موجود تھے۔ کمال حسب عادت نہایت سنجیدہ متین اور خاموش نظر آتے تھے۔ انور نہایت اضطراب کی حالت میں تھے۔ کہ ایک تار آیا۔ کمال دروازے کے قریب تھے انہوں نے تار کو پڑھا اور کہا کہ باب عالی نے آئینی دستور العمل قائم کر دیا ہے۔ آن کی آن میں لوگوں نے تالیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کی دلی مسرت کبھی ختم نہ ہو گی۔ لوگوں نے گھی کے چراغ جلائے اور وہ وہ جشن کئے کہ قلم ان کے بیان کرنے سے قاصر ہے سالونیکا بقعہ نور بنا ہوا تھا اور اس طور پر سجایا گیا تھا گویا کہ چوتھی کی دلہن ہے۔

عوام کو یہ خیال تھا کہ پادشاہ نے لوگوں کی خیر خواہی کے لئے آئینی حکومت قائم کی ہے۔ وہ بچارے کیا جانتے تھے کہ انقلابیوں کی قربانیاں اور ایثار کی وجہ سے انہیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ سلطان المعظم کے محل تلے شکریہ کے لئے عوام جمع ہوئے۔ اور باب عالی کی درازی عمر کے لئے دعائیں کیں اور نعرے لگائے۔ باب عالی مصلحتاً لوگوں کے سامنے نہ آئے۔ آخر ہجوم کو منتشر کیا گیا۔

اگرچہ فوری مسرت کی وجہ سے بادشاہ کی درازی عمر کے نعرے لگائے گئے مگر عوام خوب سمجھتے تھے کہ بادشاہ اب صرف نام کا بادشاہ ہے۔ شاہی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ اصل حکومت ینگ ٹرکش پارٹی کے ہاتھ میں آگئی ہے ۱۹۰۹ء کے موسم بہار میں ینگ ٹرکش پارٹی کی کانفرنس سالونیکا میں منعقد ہوئی یہ کانفرنس ارادتاً پارلیمنٹ کے افتتاح سے چند روز پہلے سالونیکا میں قائم کی گئی۔ تاکہ عوام پر اس کا اچھا اثر ہو۔ احمد رضا بے نے جو پارٹی کے مسلّم لیڈروں میں سے تھے اور بعد میں پریذیڈنٹ آف چیمبر ہوئے شمولیت کی۔ دیگر یورپین ممالک کی ہوس کہ مقدونیہ پر قبضہ کیا جائے آناً فاناً جاتی رہی۔ تمام دول یورپ کے اخباروں نے مقالے لکھے کہ ٹرکی کا مستقبل شاندار نظر آتا ہے۔

اس کے بعد انقلابیوں کے لئے یہ سوال درپیش تھا کہ آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔ وہ انقلابی جو لندن برلن اور قاہرہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے آئین کے مشتہر ہونے پر جوق در جوق قسطنطنیہ میں جمع ہونے لگے۔ وہ تمام کے تمام اس امر کے خواہشمند تھے کہ جو مختلف تجارب انہوں نے دیگر ممالک سے حاصل کئے ہیں اور وطن پر آزمائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کھل چل مچ گئی اور انقلابیوں میں اختلاف بڑھ گیا۔

کمیٹی میں سول افسران کا اقتدار بہت زیادہ تھا۔ اس لئے انقلابی پس پشت ڈال دئے گئے بہت سے افسر مایوس ہو گئے اور ملکی معاملات میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ انقلاب کی روح رواں انور بے نے مستعفی ہو کر اپنے وطن کو سدھارے۔ انور بے ملٹری سفیر کی حیثیت سے برلن چلے گئے کمیٹی میں

وہ خود غرض لوگ رہ گئے جو جلب منفعت کے لئے سب سے زیادہ شور مچاتے
اور ملکی خزانہ کو لوٹ لوٹ کر اپنے اور اپنے یاروں کی شکم پروری کرتے۔
الغرض ملک کی حالت سلطان المعظم کی حکومت سے بھی بدتر ہوگئی۔ اس
نازک موقع پر پھر مصطفےٰ کمال نے عنان اپنے ہاتھ میں لی۔ اور کہا "ہمارا
کام ابھی ختم نہیں بلکہ شروع ہوا ہے۔ ہمارا کام لوگوں کو تعلیم دینا ہے۔ اور
راستے سے ٹیلوں کو ہموار کرنا ہے۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اختلاف
کا واقع ہونا اچھی نشانی ہے" الغرض انہوں نے اس طور پر دن رات کام
کیا کہ تمام مشکلات پر حاوی ہوگئے۔ ایک سنٹرل کمیٹی قائم کی گئی تاکہ ان کی
زیر نگرانی آئین جاری کئے جائیں۔ ایک کمیٹی جو سات اشخاص پر مشتمل تھی
بنائی گئی۔ طے پایا کہ ہر سال کانگرس کا اجلاس کیا جائے اور ملک کی حالت
پر تبصرہ ہو۔

ابھی اصلاحات زیر غور تھیں کہ اسٹریا ہنگری نے اعلان کر دیا کہ
بوزنیا اور ہرزگو دینیا کے ہر دو صوبجات پر وہ قبضہ جمالے گا۔ بلغیریا نے
سربیا کا الحاق مشتہر کر دیا پرنس فرڈیننڈ جو بلگیریا میں ترکوں کے وائسرائے
تھے خود مختار بن بیٹھے اور یونان نے موقعہ کو غنیمت جان کر کریٹ پر
قبضہ کا اعلان کر دیا۔ ترکی کی حالت نہایت خطرناک تھی مصطفےٰ کمال
کے دشمنوں کا اقتدار پھر بہت بڑھ چکا تھا۔ ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی بادشاہ
یہ جتلانے کے لئے کہ یہ سب کچھ محض پارلیمنٹ کی وجہ سے ہے زیادہ مخالفت
کرتے۔ اور صوبوں کے نکل جانے پر بغلیں بجاتے۔ مصطفےٰ کمال نے عہدہ

عمدہ تجاویز پیش کیں مگر وہ سب کی سب مسترد کر دی گئیں۔ جب ان کی ایک نہ چلی تو وہ ایک کمیشن کے ساتھ طرابلس الغرب جا پہنچے تاکہ ترکی فضا سے باہر ہو کر ملک کے لئے کار آمد ہو سکیں اور کوئی عمدہ چال چل سکیں۔

طرابلس الغرب مصر اور ٹیونس کے مابین واقع ہے۔ جہاں ایک طرف تو انگلستان کا قبضہ ہے اور دوسری طرف فرانس اپنی حکومت کے زور دکھلا رہا ہے خطرہ دامنگیر تھا کہ اٹلی طرابلس الغرب کو ہضم کرنے کی چالیں چلیگا اس لئے اس کو بچانے کے لئے غور کیا جاوے۔ مشن کا کام نہایت اہم اور مشکل تھا۔ ٹیونس اور الجیریا کے عربوں کی حالت فرانس نے خاصی تباہ کر رکھی تھی مصطفیٰ کمال نے ینگ ٹرکش پارٹی کی شاخیں ملک میں جابجا قائم کر دیں اور وہ تمام شکایتیں جو عربوں کو ترکوں کے خلاف تھیں رفع ہو گئیں وہاں وہ ایک قومی فوج قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس فوج نے اٹلی کی جنگ میں وہ وہ کار ہائے نمایاں دکھلائے کہ دنیا حیران رہ گئی۔ شیخ سنوسی جو ترکوں کے مخالفین میں سے تھے مصطفیٰ کمال کی وساطت سے ترکی کے دست راست بن گئے۔

آغاز فروری ۱۹۱۰ء میں مصطفیٰ کمال پھر سالونیکا واپس پہنچ گئے واپسی پر وہ چند یوم قسطنطنیہ ٹھیرے اور حکومت کا استبداد دیکھ کر حیران رہ گئے کمیٹی کے اصرار پر سعید پاشا جو نام کے وزیر اعظم تھے مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ کمال پاشا نامی ایک شخص نے قلمدان وزارت سنبھالا وہ جزیرہ سائپرس کے رہنے والے تھے اور ان کی والدہ یہودی النسل تھیں۔ کمال پاشا

کا تقرر انگلستان کے ایما سے کیا گیا تھا۔ اور یہ عام خیال کیا جاتا تھا کہ کمال پاشا مذکور کی قدر و منزلت انگلستان کی نگاہوں میں بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ ۱۹۰۹ء کے موسم بہار میں جب انگریزی سفیر سر جیرڈ لوتھر قسطنطنیہ پہنچے تو وزیر اعظم کی وجہ سے ان کا استقبال نہایت شاندار طریقے سے کیا گیا۔

بہت جلد ہی مصطفےٰ کمال نے محسوس کر لیا کہ وزیر اعظم کا رجحان انگلستان کی طرف بہت زیادہ ہے۔ انجمن اتحاد و ترقی کے ممبروں کی اکثریت وزیر اعظم کے ہاتھ بکی ہوئی ہے۔ تمام اغراض و مقاصد جن کے لئے انقلاب برپا کیا گیا تھا ملیا میٹ ہو رہے ہیں۔ جونہی کہ پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا شیدائیان وطن اس کو بھانپ گئے۔ چنانچہ انہوں نے ایک اور پارٹی قائم کر لی جس کا نام لبرل پارٹی قرار پایا۔ اس پارٹی کے رکن اعلیٰ مصطفےٰ کمال تھے اور شہزادہ صباح الدین سرگرم ممبروں میں تھے۔ شہزادہ مذکور کی دلی خواہش تھی کہ کسی طور پر وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز کئے جائیں۔

وزیر اعظم کمال پاشا نے چاہا کہ وہ تمام آئینی قیود سے آزاد ہو کر جس طرح چاہیں کھل کھیلیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی خود مختاری کو بچانے کے لئے وزیر حرب کو برخاست کر دیا۔ لبرل پارٹی نے مطالبہ کیا کہ تمام کی تمام وزارت مستعفی ہو جائے مگر کمال پاشا نے صاف انکار کر دیا۔ دوسرے دن جب پارلیمنٹ بیٹھی ہوئی تھی۔ سپاہیوں نے عمارت مذکور کے گرد احاطہ ڈال لیا اور ممبران پارلیمنٹ نے جو زیادہ تر لبرل پارٹی کے ممبر تھے عدم اعتماد کا ووٹ حکومت کے خلاف پاس کر دیا۔ ساحل سمندر پر جہاں سے پارلیمنٹ

کا امکان دور نہ تھا۔ بحری جہاز آ کھڑے ہوئے۔ حکومت کو شکست فاش
ہوئی اور حسین حلمی پاشا سابق گورنر جنرل مقدونیہ جو انقلابی پارٹی کے رکن اور
مصطفیٰ کمال کے یار و غمگسار تھے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ قسطنطنیہ میں عام چرچا
تھا کہ یہ سب کھیل مصطفیٰ کمال کا بنایا ہوا تھا اور اس طور پر وہ ملک کے گلے
سے ایک بہت بڑی لعنت کو اتارنے کا اصلی سبب واقع ہوئے۔ چنانچہ
اب انجمن اتحاد اور لبرل پارٹی کا اتحاد ہو گیا اور وہ دونوں پارٹیز پھر مل گئیں
اور پہلا نام برقرار رہا۔

شہزادہ وہاب الدین دن رات اس کوشش میں تھے کہ سلطان عبدالحمید
کو معزول کر کے ان کی بجائے شہزادہ یوسف عزیز الدین کو تخت پر بٹھلایا جائے
اور وہ خود وزیر اعظم بن جائیں۔ ممکن ہے کہ ان کی سازشیں کامیاب ہو جاتیں
مگر یوسف عزیز الدین ایک صبح اپنے بستر پر مردہ پائے گئے اور حکومت کی
طرف سے اعلان کیا گیا کہ انہوں نے اپنے باپ ضیاء الدین کی طرح خودکشی کر لی
ہے۔ حسین فہمی پاشا نے اس خبر کی تردید کی اور اپنے اخبار میں لکھا کہ ضیاء الدین
کی طرح ان کا بیٹا بھی یوسف عزیز الدین سازش کا شکار ہوا ہے۔ اسی
شام کو حسین فہمی پاشا غلطہ کے پل سے چلتے ہوئے گولی کا نشانہ بنائے گئے
اور ان کے قاتل کا پتہ تک نہ چل سکا۔ اس قتل سے عوام میں ایک ہیجان پیدا
ہو گیا جو سنہ ۱۹۰۸ء کے بعد سے انقلاب کا نتیجہ تھا۔

بادشاہی فوجیں بازاروں میں چکر لگا رہی تھیں اور بادشاہ وقت کی
طرف سے نہایت شدومد کے ساتھ یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا کہ ینگ ٹرکس

پارٹی شریعت کے خلاف ہے۔ وہ خلیفہ کی جگہ جمہوری سلطنت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان خبروں اور پروپیگنڈا کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑا بلوہ شہر میں بپا ہو گیا۔ بلوہ کرنے والے عام طور پر "شریعت زندہ باد ینگ ٹرکش پارٹی مردہ باد" کے نعرے لگاتے تھے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ سلطان عبدالحمید کا اس بلوہ کے بپا کرنے میں کس قدر ہاتھ تھا مگر ہمیں خدا کو جان دینی ہے ہم ضرور کہیں گے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ بلوہ کرنے والوں کی جیبوں میں سینکڑوں ہزاروں اور لاکھوں روپے کے نوٹ تھے اور عام طور پر یہ مشہور تھا کہ یہ روپیہ خلیفۃ المسلمین امیر المومنین کا عطیہ ہے۔ باغیوں نے مطالبہ کیا کہ وزیر اعظم حلمی پاشا کو معزول کیا جاوے۔ خلیفۃ المسلمین نے ان کی درخواست فوراً منظور کر لی۔ ان کی خواہش تھی کہ ادھم پاشا وزیر اعظم مقرر کئے جاویں۔ اس خواہش کو شرف قبولیت بخشا گیا۔ باغیوں کا مزید مطالبہ یہ تھا کہ چند جان نثاران وطن جن کی فہرست باغیوں نے باب عالی میں داخل کی ان کے حوالے کئے جائیں تا کہ ان کو مجمع عام میں قتل کیا جائے بادشاہ نے اسے بھی منظور کر لیا مگر وہ جان نثار اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر موقع سے پہلے ملک سے نکل گئے۔ امیر محمد ارسلان ممبر پارلیمنٹ جو تنین کے اڈیٹر تھے اور نجیب الطرفین عرب تھے اور انجمن اتحاد ترقی کے معزز رکن تھے نہایت بے دردی سے قتل کئے گئے۔

اس کے بعد باغی فوجوں کو ہدایت ہوئی کہ وہ اپنی اپنی بارکوں میں لوٹ جائیں پیشتر اس کے کہ وہ متصدرہ بالا حکم کی تعمیل کریں انہوں نے

استنبول کی گلیوں میں ایک جشن منایا اور رات بھر میں دس لاکھ گولیاں فتح کی خوشی میں ضائع کر دیں۔ یہ گولیاں بیکس لوگوں کے مکانوں پر پڑیں سینکڑوں آدمی بچے عورتوں کی فوری ہلاکت کا باعث ہوئیں ہزاروں بسمل تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہوئے۔ لوگ اس قتل عام کو امیر المومنین کی ایک خاص مرحمت خسروانہ سمجھتے۔ دلوں سے آہیں اٹھتیں۔ منہ سے دعائیں دیتے اور زبان حال سے کہتے ؎

قریب ہے یار و روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستین کا

صبح کے وقت پھر افسروں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ بادشاہ کے سپاہی شہر پر قابض تھے اور خطرہ تھا کہ معزز ہستیوں کو کہیں خون کے گھاٹ نہ اتار دیا جائے۔ لوگوں نے خارجی سفارتوں میں جا کر پناہ لی بچوں کو گلیوں میں گولی کا نشانہ بنایا گیا اور بیکس مستورات کو بہت بری طرح زدوکوب کیا گیا۔

بعض نوجوان ترک رات کے وقت شہر سے پیدل بھاگ کر سالونیکا پہنچ گئے۔ ان پناہ گزینوں میں احمد رضا صدر کابینہ بھی تھے۔ جب یہ لوگ سالونیکا میں اپنی پریشانیوں پر آنسو بہا رہے تھے تو خدا نے ان کی مدد کے لئے مصطفےٰ کمال کو وہاں پہنچا دیا۔ وہ شام کے وقت سوداگر کے بھیس میں سالونیکا وارد ہوئے۔ انہوں نے اس خوبی سے بھیس بدلا ہوا تھا کہ ان کے عزیز ترین دوست بھی پہچان نہ سکے۔ رات بھر مجلس مشاورت

ہوتی رہی اور صبح کے وقت تھرڈ آرمی کور نے اعلان کر دیا کہ وہ اس بلوہ کو دبانے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اور انجمن اتحاد ترقی کے ماتحت تمام کام سرانجام دے گی۔ مصطفےٰ کمال نے اپنے ملک و ملت کی خاطر جان پر کھیل جانے کا تہیہ کر لیا اور فوج کے ایک دستہ کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے سلطان کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔

قسطنطنیہ پر حملہ ان کارہائے نمایاں میں سے ہے جن کے لئے ترکی تاریخ کے اوراق مصطفےٰ کمال کی تعریف میں بھرے ہوئے ہیں۔ ایک انگریز ماہر حرب اس مہم کی تمثیل ٹرائی داٹرلو سے دیتا ہے اور معترف ہے کہ یہ مہم دنیا کی چند عظیم الشان مہموں میں شمار ہو گی۔

مہم کے سردار محمود شوکت پاشا تھے۔ مصطفےٰ کمال انہیں آزادی کا مجسمہ کہتے۔ انہوں نے کئی دیگر ممالک میں رہ کر فن حرب کو کمال تک پہنچایا تھا اکثر ملٹری مشنوں کے ہمراہ دیگر ممالک میں گئے تھے۔ اگرچہ بحیثیت جرنیل وہ نہایت پختہ بہادر اور دلیر تھے مگر بحیثیت مدبر وہ بالکل ناکام تھے یہ صفت خدا نے خاص طور پر مصطفےٰ کمال کو ودیعت کی تھی کہ ان میں بطور سپاہی۔ جرنیل۔ مدبر۔ وزیر۔ عالم۔ مورخ۔ اور ریاضی دان جملہ صفات موجود تھیں اور بقول شخصے ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کا مصداق تھے۔ میدان کارزار گرم ہوا۔ مصطفےٰ کمال کے فوجی دستہ کو سب سے آگے بھیجا گیا۔ چونکہ باغیوں کا کوئی باقاعدہ سردار نہ تھا۔ اس لئے مصطفےٰ کمال کے مقابلے میں انہیں ہر روز شکستیں ہونے لگیں جس کا نتیجہ یہ

محمود شوکت پاشا

ہوا کہ اکثر مارے گئے اور باقی ماندہ جان بچا کر بھاگ نکلے۔ سپاہیوں نے جو سالونیکا سے کمال کے ہمراہ آئے تھے سٹمبھ کے مشہور و معروف مقام پر قبضہ کر لیا۔

ایک روز پارلیمنٹ بیٹھی تجاویز سوچ رہی تھی کہ محمود شوکت پاشا کے ساتھ کس طور پر مصالحت کی جائے۔ کہ آناً فاناً سپاہیوں نے پارلیمنٹ کی عمارت کے ارد گرد گھیرا ڈال لیا اور ان کے افسر نے کہا ہمیں حکم ہے کہ ہم صرف اس بات کی جانچ پڑتال رکھیں کہ پارلیمنٹ ایمان داری سے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے وہ جلب منفعت کے لئے قوم فروشی تو نہیں کرتی۔ وہ ملک کو دوسروں کے ہاتھ بیچنے کے لئے تیار تو نہیں۔ وہ امرا کی ہوسوں کی آلۂ کار نہیں بن رہی۔ وہ بادشاہ سے مرعوب ہو کر بے انصافی تو نہیں کرتی۔ جب صدر کابینہ نے انہیں ان تمام امور کے متعلق یقین دلا دیا تو وہ نہایت امن اور سکوت کی حالت میں واپس ہو گئے۔

فوجوں نے اسٹیشن کے عقب میں ڈیرے ڈال دئے۔ ان کو ان کے سردار نے حکم دیا کہ جب تک سپہ سالار محمود شوکت پاشا کا مزید حکم نہ ملے انہیں یہیں قیام کرنا ہو گا۔ شہر پر انقلابی فوجوں کا قبضہ تھا۔ محل یلدیز میں بالکل خاموشی طاری تھی۔ نہ تو کوئی احکام جاری ہوئے اور نہ محمود شوکت پاشا سے کسی قسم کی گفت و شنید ہوئی۔ اپریل ۱۹۱۳ء کو بادشاہ حسب معمول حمیدیہ مسجد میں نماز جمعہ کے لئے تشریف لائے وہ نہایت پریشان معلوم ہوتے تھے۔ لوگوں کا ہجوم ان کو دیکھنے کے لئے جمع تھا۔ فوج کی قطار معمول کے

مطابق کھڑی تھی۔ سوائے اس کے کہ افسر موجود نہ تھے اور کوئی غیر معمولی بات نظر نہ آتی تھی۔ وہ جگہ جہاں جمعہ کے دن دیگر سلطنتوں کے سفیر بیٹھتے تھے خالی تھی۔ عام لوگوں میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ بادشاہ کو قتل کرا دیا جائے گا۔ مگر محمود شوکت پاشا نے مصطفےٰ کمال کے مشورہ سے ایک اعلان جاری کیا۔ جس کا یہاں نقل کرنا ہم از حد ضروری سمجھتے ہیں:

"یہ غلط طور پر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے کہ خلیفۃ المسلمین امیر المومنین باب عالی سلطان عبدالحمید مدظلہ کو کسی قسم کا خطرہ ہے۔ قوم کا فرض اولین ہے کہ ان کی ہر طرح حفاظت و خدمت کرے۔ ہم باب عالی کی خدمت اقدس میں نہایت ادب اور احترام کے ساتھ یہ درخواست کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ وہ بہت بڑی شخصیت ہیں مگر اللہ ان سے بہت بڑا ہے۔ اس لئے انہیں کوئی ایسا فعل نہ کرنا چاہیئے جو ان کی شان کے منافی ہو"۔

اسی شام کو مزید فوجیں سالونیکا سے آگئیں جو شہر بھر میں گھومتی رہیں شہر میں کامل سکوت اور امن قائم تھا۔ اگلی صبح کو مصطفےٰ کمال کے حکم سے تمام اہم مقامات پر قبضہ کر لیا گیا اور ہفتہ کی شام کو شیخ الاسلام کا فتوےٰ گلی کوچوں میں لگا یا گیا "ہر مسلمان مرد اور عورت کا فرض ہے کہ امیر المومنین کی متابعت کرے۔ بشرطیکہ امیر المومنین اپنے فرائض کی ادائیگی میں ارادتاً کوتاہی نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو پھر شریعت ان کی معزولی کا حکم صادر کر سکتی ہے"۔

اگلی صبح کو محل یلدیز کے دروازے کھول دئے گئے اور فوجوں نے

محل کے ارد گرد احاطہ کر لیا۔ اکثر ملازمین محل بھاگ گئے۔ سلطان المعظم اپنے پیارے بیٹے عبدالرحیم کے پاس جس کی عمر دس سال کی تھی خاموش بیٹھے تھے پارلیمنٹ کے تین ممبر کمرہ میں داخل ہوئے۔ کورنش بجا لائے۔ اور قوم کا متفقہ فیصلہ پیش کیا*

سلطان المعظم نے آہ سرد بھری اور کہا قسمت میں یوں ہی لکھا تھا میں نے ہمیشہ مسلمانوں کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے میں قوم کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ مجھے امید واثق ہے کہ میری جان بخشی کی جائے گی"*

ان تمام انقلابوں کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سلطان عبدالحمید کو معزول کر کے سالونیکا میں نظر بند کیا گیا۔ جس سے ترکی حکومت کے پہلے دور کا خاتمہ ہُوا*

دورِ ثانی

باب اول

بادِ صحراست کہ با فطرت ما در سازد
از نفسہائے صبا غنچۂ دلگیر شدیم

سلطان عبدالحمید کی نظر بندی کے بعد ان کے بھائی محمد ارشاد کو خلافت کے تخت پر متمکن کیا گیا۔ ایک طرف سلطان عبدالحمید کو نظر بندی کے لئے لے جا رہے تھے تو دوسری طرف نئے سلطان کی خوشی میں توپیں چھوٹ رہی تھیں۔ محمد ارشاد تخت نشینی سے قبل بیس سال تک متواتر قید رہ چکے تھے۔ وہ محمد خامس کے نام سے تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔

اس ڈویژن میں جہاں مصطفٰے کمال افسر اعلیٰ تھے۔ برلن سے واپسی پر میجر انور بے کا تقرر بطور ایک کمپنی افسر کے کیا گیا۔ مقدونیہ میں پھر حسد کی آگ لگ گئی اور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں شروع ہو گئیں ملک میں روپیہ کی اشد کمی تھی۔ غیر ملکوں کا قرضہ اس قدر بڑھ گیا کہ ملک کی تمام آمدن اس کے سود میں چلی جاتی اور پھر بھی سود پورا نہ ہوتا۔ اس لئے قرض خواہ ملکوں نے نظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مصطفٰے کمال نے اس کی بہت مخالفت کی۔ مگر سلطان محمد خامس نے ان کی ایک نہ سنی۔ اور انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ دو سال کی رخصت حاصل کر کے گمنامی کی زندگی بسر کریں۔

غازی انور پاشا

اس کے علاوہ دیگر ممالک نے وہ وہ تجارتی مراعات حاصل کیں کہ ملک کا کچومر نکل گیا شاہان سلف کے زمانے سے یوروپین طاقتوں سے ٹرکی کا ایک معاہدہ تھا جسے کپٹلیشن کے نام سے منسوب کیا جاتا۔ اس معاہدہ کی رو سے اگر کوئی غیر ملکی شخص ٹرکی میں کسی جرم کا ارتکاب کرتا تو اس پر جو مقدمہ چلایا جاتا۔ اس کی سماعت اپنی حکومت کرتی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ملزم بری ہو جاتا مگر پولیٹکل جرائم بہت زیادہ بڑھ گئے خاص طور پر یونانی جب کوئی خاص اہمیت کا کام ان کے حسب منشا نہ ہوتا تو اس ترک افسر کو جس کے ذمہ یہ کام کرنا ہوتا گولی کا نشانہ بناتے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ جب وہ گرفتار ہو کر اپنی حکومت کے سامنے پیش ہونگے تو حکومت انہیں بری کر دے گی۔

محمود شوکت پاشا جو ان دنوں وزیر حرب تھے غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ فوج کو حکومت کے ماتحت ہونا چاہیئے نہ کسی پارٹی کے اس لئے انہوں نے حکم دے دیا کہ کوئی فوجی کسی پولیٹکل پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔ مگر اس حکم نامہ پر کسی نے عمل نہ کیا اور محض ایک بیکار اور فضول کاغذ تصور ہوا۔

مصطفےٰ کمال جو رخصت پر تھے۔ حکومت کی روشوں سے نہایت جلتے اور دل برداشتہ ہوتے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ فوج سے مستعفی ہو کر کوئی اور کام شروع کریں۔ مگر ان کی والدہ اور بہن نے پسند نہ کیا ان کے اصرار پر وہ رخصت کے بعد ملازمت پر حاضر ہو گئے اور ان کا تقرر

سالونیکا میں کیا گیا۔ ان ایام میں انہوں نے اپنی ڈائری لکھنی شروع کر دی۔ جس میں وہ تمام واقعات درج کرتے۔ وہ ان ضروری امور کو جو وہ دیکھتے تفصیل کے ساتھ لکھتے۔ انہوں نے روزنامچہ میں مالٹوک کی تمام ضرب المثل لکھیں اور پچاس صفحہ کا ایک مضمون نپولین کی مہمات پر لکھا۔ فرانس کے انقلاب پر عمدہ عمدہ سرخیاں درج کیں۔ سالونیکا میں وہ نہایت جفاکش، محنتی، ایماندار اور اعلیٰ ضمیر کے افسر سمجھے جانے لگے۔

۱۹۱۰ء میں وہ جرنل رضا پاشا کے ساتھ ملٹری نمائندے کی حیثیت سے پیرس بھیجے گئے۔ ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے بلقان سے گذر کر یورپ میں سفر کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ کس طرح یورپین فوجیں کیل کانٹے سے درست چمکتی ہوئی وردیاں پہنے ہر وقت جنگ کے لئے تیار ہیں۔ پیکارڈی کے میدانوں میں انہوں نے ایسے فوجی اسلحہ جات دیکھے کہ حیران رہ گئے۔ وہ یہ دیکھ کر متحیر ہوئے کہ فوجوں کے پاس سامان حرب جو کہ سائنٹیفک طریق پر بنایا ہؤا تھا بکثرت موجود تھا۔ انہیں حیرت تھی کہ فوجوں میں کیسی اعلیٰ پایہ کی تنظیم ہے۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ہر سپاہی محب وطن اور شیدائی قوم ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں کھول کر فوجوں کی ترتیب و تنظیم کا معائنہ کیا۔ اس شیدائی وطن کے دل میں رشک اٹھا کہ وہ واپس جا کر اپنے ملک کی فوجوں کی بھی اسی طرح تنظیم و ترتیب دے۔ وہ ایک رات اسی خیال کے آتے ہی زار زار روئے کہ چند سو سال پہلے آسٹریا، فرانس، اور اسپین ترکوں کی عظمت سے کانپتے تھے اور آج وائنا اور پیرس

سے وزرا کا نام سنتے ہی ترکی کے ناخدا سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ دل میں وہ ان سب باتوں کے قائل تھے مگر بظاہر ان کا رویہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی اور یہ وہی جرأت اور تقویت ایمان تھی جس نے آئندہ سالوں میں تین زبردست سلطنتوں کے مقابلہ پر انہیں قائم رکھا۔

پیرس میں انہیں نہایت پیچیدہ ملٹری معمے حل کرنے کو کہا گیا انہوں نے اس طور پر انہیں حل کیا کہ فرانسیسی۔ جرمن۔ اور انگریز تجربہ کار جرنیل انگشت بدنداں رہ گئے۔ جرنیلوں نے زبان سے اقرار کیا۔ دل سے تصدیق کی کہ قدرت نے مصطفےٰ کمال کو کسی خاص کام کی سرکردگی کے لئے مقرر کیا ہے۔

مصطفےٰ کمال بھرے ہوئے دل سے واپس آئے۔ انہیں اس امر کا احساس تھا کہ ترکی کی فوجوں میں تنظیم و تربیت ذرا بھی نہیں۔ فوجوں کے پاس سامان حرب ناکافی ہے اور جو ہے قطعاً فضول ہے۔ وہ تاڑ گئے کہ موجودہ سامان حرب کے ساتھ ترکی کسی غنیم کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور آئے دن جو سلطنتیں ترکی کے مقبوضات پر قبضہ جما رہی ہیں ان کی اصلی وجہ ایک تو سامان حرب کی کمی ہے اور دوسرے ترکی کی فوجیں طریقہ جنگ سے نابلد و ناآشنا ہیں انہوں نے تہیہ کر لیا کہ ہر خطرہ کا سامنا کرتے ہوئے وہ اپنے ملک کی فوجوں کو موجودہ طریق پر لانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ انہوں نے اپنے ملٹری علم سے دوسروں کو بہرہ اندوز کرنے کی ٹھان لی۔ وہ بیباکی سے فوجی نقائص

بیان کرتے۔ انہوں نے نہایت آزادی سے اپنے افسروں کے عیوب پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ وہ فوجی معاملات پر تنقیدیں لکھ کر چھپواتے اور فوجوں میں مفت تقسیم کرتے۔ بسا اوقات انہوں نے فضول احکام کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ مگر بڈھے تجربہ کار جرنیل اسے نظر انداز کر دیتے کیونکہ ہمیشہ ان کی رائے صائب اور عمدہ ہوتی۔

آخر کار ان کے خلاف ایک ہیجان پیدا ہو گیا اور انہیں اس عمدہ آسامی سے علیحدہ کر کے جس پر وہ فائز تھے ایک رجمنٹ کی کمانڈ دی گئی۔ ملک کی حالت پھر ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ پارلیمنٹ محض عضو معطل تھی محمود شوکت پاشا بادشاہ کی چالوں میں خوب پھنس چکے تھے۔ رشوت ستانی کا بازار گرم تھا اس لئے مصطفے کمال نے پھر عزم بالجزم کیا کہ وہ ان تمام بدیوں کو ملک سے دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔

سنہ ۱۹۱۰ء کے اختتام پر سالونیکا میں تمام نوجوان افسر شام کے وقت ان کے مکان پر جمع ہوتے۔ وہ انہیں اُبھارتے اور حب الوطنی کے جذبہ کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے۔ ان مجمعوں میں وہ فوجی نکات پر بحثیں کرتے تنقیدیں لکھتے اور افسروں کو حل کرنے کے لئے عمدہ عمدہ سمے پیش کرتے مہینہ میں چار بار فوجی مشکلات پر مضمون پڑھے جاتے اور عمدہ لکھنے والوں کا دل انعام وتحائف سے بڑھاتے۔ جاسوسوں نے بڑھ چڑھ کر رپورٹیں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصطفے کمال عہدہ سے برطرف کئے گئے۔ ان کی کمشن چھین لی گئی اور ان پر فرد جرم عاید کیا گیا کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت

پھیلانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان کے کورٹ مارشل کے لئے نہیں
قسطنطنیہ طلب کیا گیا۔ لیکن جب کسی شخص نے ان کے خلاف شہادت
نہ دی تو وہ اپنے عہدہ پر بحال کئے گئے اور ان کا تقرر بطور پرنسپل ملٹری کالج
کیا گیا۔ یہ وہ عہدہ تھا جو تمام ٹرکی میں بنظر استحسان دیکھا جاتا تھا مگر حکومت
کے ارباب بست و کشاد کا منشا یہ تھا کہ وہ قسطنطنیہ میں حکومت کے
زیر نظر رہیں۔ اور کوئی انقلابی پروپیگنڈا نہ کرسکیں گے۔

مثل مشہور ہے چراغ تلے اندھیرا۔ قسطنطنیہ میں انہوں نے
نہایت زور و شور سے اپنا پروپیگنڈا شروع کیا۔ وہ کالج کے طلبا میں
سحر پھونکنے میں کامیاب ہوئے جس کا ادنےٰ کرشمہ موجودہ ٹرکی ہے۔

۱۹۱۱ء میں یوروپ میں ایک ہیجان برپا تھا۔ فرانس مراکو کا
واحد مالک بننا چاہتا تھا۔ شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر سر ایڈورڈ گرے
وزیر خارجہ ان کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ تمام اسلامی ممالک کی
نظریں مراکو کے بچاؤ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ آخر قیصر ولیم نے اس معاملے
میں پیش قدمی کرکے دخل اندازی کی اور تمام مسلم دنیا کی نگاہوں میں قدردانی
حاصل کرلی۔ انہی دنوں روس ایران کو ہڑپ کرجانے کی فکر میں لگا ہوا تھا
اٹلی کے دانت ٹیونس پر تھے مگر جب وہاں اس کی کوئی پیش نہ چل سکی تو اس
نے اپنی توجہ طرابلس الغرب کی طرف مبذول کی۔ ایک بھیڑیا اونچے ٹیلے
پر کھڑا پانی پی رہا تھا قسمت کی ماری ایک بھیڑ اس کی نظر پڑی جو ایک نیچی
جگہ اسی ندی سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی۔ بھیڑیا غرایا اور بھیڑ سے کہنے

لگا کر تم نے پانی کو گدلا کر دیا ہے۔ تمہیں معلوم نہ تھا کہ ہم بھی اسی ندی سے پانی پی رہے ہیں۔ بھیڑ نے نہایت عاجزی سے عرض کیا حضور مجھے علم نہ تھا اور میں تو نیچی جگہ پر تھی جہاں سے حضور کا پانی گدلا نا ناممکن ہے۔ بھیڑیا نہایت برہم ہوا اور کہا کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ ہماری تردید کر سکو اور ہمیں جھوٹا ٹھیراؤ۔ چنانچہ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ بھیڑیا بھیڑ کو پھاڑ کر کھا گیا۔ اسی طرح اٹلی نے ٹرکی کو الٹیمیٹم دیا کہ موخر الذکر اس کی تجارت میں مزاحم ہو رہی ہے۔ لہذا وہ فوراً طرابلس الغرب کو اٹلی کے حوالے کر دے۔ چوبیس گھنٹے گذرنے کے بعد اٹلی نے ٹرکی کے خلاف اعلان جنگ کر کے طرابلس الغرب پر فوج کشی کر دی۔

اس پر جب دیگر طاقتیں چیں بجبیں ہوئیں تو اٹلی نے نہایت معقولیت سے جواب دیا کہ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول کے خلاف ہو۔ ہم نے وہی کیا ہے جو انگلستان نے مصر کے ساتھ۔ فرانس نے شمالی مغربی افریقہ کے ساتھ۔ آسٹریا نے بوزنیا اور ہرزوگووینا کے ساتھ اور روس نے کریمیا اور بربیسا کے ساتھ کیا تھا۔ اٹلی نے اپنے نوٹ میں مزید لکھا کہ یہ حکومت کے تغیرات صفحہ ہستی پر ہوتے رہتے ہیں اس لئے یہ کوئی اہم واقعات نہیں ہیں۔

ٹرکی کی بحری طاقت ایسی نہ تھی کہ اٹلی کے مقابلہ میں نبرد آزما ہو سکے۔ فوجوں کی یہ حالت تھی کہ باوجودیکہ مصطفے کمال نے نہایت زور دیا تھا کہ ان کی حالت سدھاری جائے مگر کسی نے ان کی نہ سنی دیگر طاقتوں

نے اٹلی کی "راست بازی اور معقولیت" سے متاثر ہو کر فوراً غیر جانب داری کا اعلان کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ مصر سے ترکی فوجوں کے گذرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس وقت تمام قوم کی آنکھیں مصطفےٰ کمال کی طرف لگی ہوئی تھیں اور عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ اس بلائے آسمانی سے صرف مصطفےٰ کمال ہی نجات دلا سکتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے افسر تھے۔ جنہوں نے میدان کارزار میں پہنچنے کی کوشش کی۔ تمام راستے مسدود تھے۔ مگر مصطفیٰ کمال اور ان کے دو ساتھیوں نے عرب سوداگروں کا بھیس بدل کر مصر کا راستہ لیا۔ اسکندریہ پہنچ کر ان کے دونوں ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔ مگر تیسرے شخص مصطفےٰ کمال کا پتہ نہ چلا۔ مصریوں کی ہمدردی ترکوں کے ساتھ تھی مگر ان کے آقائے نامدار غیر جانب دار تھے اس لئے ان کی ہمدردی سوائے لفاظی کے کچھ معنی نہ رکھتی تھی۔ مصطفیٰ کمال کا حلیہ جابجا چھاپا گیا۔ اور پہلی دفعہ ان کی گرفتاری کے لئے ایک لاکھ روپیہ کا انعام مقرر کیا گیا۔ ایک مصری افسر نے سانگا پر مصطفیٰ کمال کو پہچان لیا۔ مگر وہ ان کے جذبہ اور ایثار سے اس قدر متاثر تھا کہ اس نے آنکھیں موندھ لیں اور ان کی بجائے ایک اور شخص کو گرفتار کر لیا اور مزید تحقیقات کے بعد اسے بھی رہا کر دیا۔

طرابلس الغرب کی مہم نے اٹلی کو قدر عافیت یاد دلا دی جونہی کہ کمال یہاں پہنچے انہوں نے لوگوں کے دلوں میں ایک جذبہ پیدا کر دیا لوگ اپنے اپنے کام چھوڑ کر ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تکبیر کے

زہرہ شگاف نعروں سے آسمان گونج اُٹھا۔ یمن میں جہاں ایک عرب سردار حکومت کے خلاف لڑ رہا تھا اس نے لڑائی بند کر دی اور خود مع اپنے ہمراہیوں اور ساتھیوں کے طرابلس الغرب پہنچ گیا۔ اس میں شک نہیں کہ اٹلی کا قبضہ ساحل سمندر پر تھا مگر اندرونی حکومت ٹرکی کی تھی بسا اوقات جب اٹلی کی فوجوں نے پیش قدمی کی کوشش کی تو انہیں ایسی شرمساری اُٹھانی پڑی کہ ہزاروں گرفتار ہوئے۔ ہزاروں مارے گئے اور ہزاروں معرکہ کارزار میں کام آئے۔ ڈاینا میں جہاں کمال مقیم تھے انہوں نے ایک معرکہ میں بیس ہزار اطالیوں کو گرفتار کیا اور دس ہزار سے زائد قتل ہوئے عہم کے سپہ سالار انور تھے جو کمال سے عمر میں ایک سال چھوٹے تھے انور پاشا کمال کی قابلیت کے معترف تھے اور وہ خوب سمجھتے تھے کہ قدرت نے جو دماغ اس انسان کو عطا کیا ہے بہت کم لوگوں کو ودیعت کیا جاتا ہے۔ وہ ہر بات میں کمال سے مشورہ کرتے اور کمال کی رائے کے مطابق انہوں نے فوج کی ازسرنو اس طور پر ترتیب دے کر اٹلی سے وہ مقابلہ کیا کہ اس کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔

مصطفےٰ کمال کا رویہ اس قسم کا تھا کہ بدو انہیں اپنا باپ سمجھتے بدووں میں ان کے متعلق ضرب المثل تھی کہ وہ شریف النفس ہے اور غریبوں کا باپ ہے۔ عام لوگ ان کے پسینہ کی جگہ خون بہانا فخر سمجھتے اور کہتے۔ کہ ترکوں میں اس نوعیت کا انسان ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا وہ معمولی سپاہیوں کی طرح کام کرتے اور سخت خطروں میں اس طرح آموجود

ہوتے گویا کہ بجلی اور آگ کے بنے ہوئے ہیں مصطفی کمال نے مردانگی اور شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ بڑے بڑے تجربہ کار جرنیل ششدر رہ گئے۔ اٹلی والوں کو کیا معلوم تھا کہ ان کو پے در پے شکستیں ایک ایسے شخص کی وجہ سے ہو رہی ہیں جو آئندہ بیس سال کے عرصہ میں فرد واحد ہوگا اور ٹرکی کی تاریخ میں ایک عظیم الشان تغیر واقع کردے گا۔

اس میں کلام نہیں کہ مصطفےٰ کمال اور انور میں سخت اختلاف رائے واقع ہوگیا تھا۔ انور ہر بات کو قسمت پر محمول کرکے اندھا دھند پیروی کرنا چاہتے مگر مصطفےٰ کمال اس کے خلاف تھے۔ وہ ایک تجربہ کار شاطر کی طرح ہر چال کی نوعیت بتلاتے۔ دشمن کا زور دیکھتے اور فوجوں کو مہروں کی طرح ترتیب دیتے۔ وہ اصول جنگ پر بحث کرنا حملہ یا بچاؤ کا راز سمجھتے۔ مگر انور اس کے خلاف تھے۔ معمولی معمولی باتوں سے اختلاف زیادہ ہوتا گیا۔ اور یہ وہ اختلاف تھا جو انور عمر بھر نہ بھولے وہ کمال سے نفرت کرنے لگے مگر اس محب وطن نے اس کی بھی چنداں پرواہ نہ کی اور ایسی چپ سادھ لی کہ آج تک انور کے متعلق حرف شکایت زبان سے نہ نکلا۔ بسا اوقات اس اختلاف سے متاثر ہوکر انور نے انہیں نہایت تکلیفیں پہنچائیں اذیتیں دیں۔ مگر یہ مرد مجاہد اپنے ارادوں میں متزلزل نہ ہوا۔

اٹھارہ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو بمقام رو ڈ جو لوزان کا سرکاری دار السلطنت ہے اٹلی اور ٹرکی کے مابین عہد نامہ ہوگیا۔ ٹرکی نے طرابلس الغرب سے اپنا قبضہ ہٹا لیا اور اٹلی کا قبضہ تصور کر لیا۔ مگر اٹلی کو اس عہد نامہ سے کئی

سال تک چنداں فائدہ نہ ہوا۔ صلح کی کانفرنس میں طے پایا کہ اٹلی روڈے
دست بردار ہو جائے گا مگر کمزور کی صلح کا دستور سے کیا معنی رکھتی ہے؟
طرابلس الغرب کے لوگوں نے صلح کے بعد بھی اٹلی کے وہ دانت کھٹے کئے کہ
اٹلی کی حالت قابل رحم تھی ۔

طرابلس الغرب سے واپسی پر انور اس اختلاف الرائے کو جو
محض نیک نیتی اور قوم کی بہبودی کی بنا پر تھا نہ بھولا - انور کی شادی
سلطان المعظم کی بھتیجی سے ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کا رسوخ اور اقتدار
بہت زیادہ تھا۔ مصطفےٰ کمال واپسی کے زمانے کو اپنی زندگی کا سب سے
تاریک زمانہ سمجھتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں "میں نے دیکھا کہ میرے لئے
تکلیفوں کے بادل امنڈ رہے ہیں لیکن کوئی ایسا طریقہ نہ تھا کہ میں اپنا بچاؤ
کر سکتا میں نے پولیٹکل پارٹی سے اپنا تعلق منقطع کر لیا ہوا تھا۔ تاہم میں
حکومت کی نظروں میں مشتبہ خیال کیا جاتا۔ مجھ پر قطعی طور پر کسی معاملے میں
اعتماد نہ کیا جاتا"۔

انہی ایام میں ریاستہائے بلقان نے متحدہ ہو کر فیصلہ کیا کہ ہلال کے
ٹکڑے ٹکڑے کر کے صلیبی جھنڈا نصب کیا جاوے۔ ٹرکی کی آنکھوں میں
دنیا اندھیر ہو گئی۔ ملک کے اندر مقدونیہ میں پھر انقلاب شروع ہو کر خانہ جنگی
شروع ہو گئی۔ دوسری طرف یونان کے ماتحت موسیو وینزلاس نے حملہ کی دھمکی
دی۔ مانٹیگرو کے شہزادہ نے اعلان جنگ کر دیا۔ سربیا اور بلگیریا نے
موقع کو غنیمت جان کر چڑھائی کی ٹھان لی۔ جاں نثاران وطن کی آنکھیں

پھر مصطفےٰ کمال کی طرف لگیں۔ وہ اپنے وطن پہنچنا چاہتے تھے تاکہ بچاؤ کی کوئی تدبیر کریں۔ مگر سیدھا راستہ بند تھا قسطنطنیہ سے دور دراز اور پیچیدہ ریلوے سفر طے کرتے ہوئے میدان کارزار میں آ سینہ سپر ہوئے وہاں پہنچ کر انہوں نے وہ چال چلی کہ آج تک لوگ حیران ہیں۔ وہ فوجوں کو لے کر اس طور پر بھاگے گویا کہ انہیں بہت بھاری شکست ہوئی۔ دشمن ان کے تعاقب میں اندھا دھند چلا آیا۔ جب وہ اڈریانوپل پہنچے تو اپنے قدم جمائے اور فوجوں کو ترتیب دے کر کھلے میدان میں وہ مقابلہ کیا کہ ان تمام صلیبی طاقتوں کے بچاؤ کے لئے انگلستان اور روس کو مداخلت کرنی پڑی غیر جانب داری کا اصول پاش پاش کیا گیا اور آخر ان صلیبی سلطنتوں کے بچاؤ اور تحفظ کی راہ نکال لی گئی۔ اگرچہ ٹرکی اس جنگ میں کامیاب ہوا مگر لندن کے صلح نامہ کے مطابق ریاستہائے بلقان آزاد کی گئیں۔ یونان۔ سربیا۔ مانٹیگرو کو بہت سا مال غنیمت اور ملک کا بیشتر حصہ ہاتھ لگا۔

ان دنوں انور کے ہم زلف فرید پاشا وزیر حرب تھے۔ اس لئے انہیں بھی کمال سے نفرت اور دشمنی تھی۔ وزیر حرب نے وہ تمام تجاویز مسترد کر دیں جو مصطفےٰ کمال نے پیش کیں۔ یہ وہی فرید پاشا ہیں جنہوں نے سنہ ۱۹۲۰ء میں کمال کی سخت مخالفت کی اور انہیں اتحادیوں سے گرفتار کرا کر پھانسی دلانے کی از حد کوشش کی۔ جب عہد نامہ لندن مجلس وزارت میں دستخطوں کے لئے پیش ہوا تو اس وقت بھی وہی بڈھے کمال پاشا وزیر اعظم تھے۔ ان کا سن نوے سال سے تجاوز کر چکا تھا اور ان کی نسبت عام طور

پہ ٹرکی میں مشہور تھا کہ وہ عہدنامہ مذکور پر دستخط کرانے کے لئے دس لاکھ پونڈ
رشوت ریاست ہائے بلقان سے حاصل کر چکے ہیں۔ عہدنامہ لندن کی
شرائط کے مطابق سوائے سٹریٹ اور قسطنطنیہ کے یوروپ میں ٹرکی
کے حصہ کچھ نہیں بچتا تھا۔ عرصہ دراز تک عہدنامہ مذکور زیر بحث رہا کمال پاشا
مذکور مصر تھے کہ صلح کو مان کر عہدنامہ پر دستخط کر دینے چاہئیں چنانچہ تیئیس جنوری سنہ ۱۹۱۳ء
کو مجلس مشاورت نے فیصلہ کیا کہ صلح نامہ پر دستخط کر دئے جائیں۔ چوبیس کو اگلے
دن دستخطوں کے لئے دستاویز کا پیش ہونا قرار پایا۔ جب وزرا دستخط کر رہے
تھے تو باہر ایک شور اٹھا۔ انور اور کمال پانچ صد ساتھیوں کے ساتھ
ہاتھوں میں ریوالور لئے داخل ہوئے۔ وزیر ناظم پاشا نے جو عہدنامہ
کے مخالف تھے اور انور اور کمال کے رازدان تھے ازراہ تمسخر کہا لڑکو
تم کو کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تم وزارت کی مجلس مشاورت میں
مداخلت بیجا کر رہے ہو۔ کمال نہایت سرعت سے آگے بڑھے اور وزیر
حرب کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ انور نے نہایت تن دہی سے آگے بڑھ
کر عہدنامہ کو جس پر وزرا کے دستخط تھے اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ اور
صلح کا ڈرامہ منٹوں میں ختم ہو گیا۔

باب دوم

آہ آں غلغلہ کز گنبد افلاک گذشت
نالہ گردید چو پا بستہ یم و زیر شدیم

عہد نامہ لندن پر قبضہ کرنے کے بعد ینگ ترکش پارٹی کے پیش نظر ایڈریانوپل کے محصورین کی امداد کے لئے افواج بھیجنے کا مسئلہ تھا۔ یونانیوں نے شکست فاش کے بعد دھوکے سے پھر ایڈریانوپل کا محاصرہ کر لیا۔ گیلی پولی پر مصطفیٰ کمال کا بحیثیت افسر آف جنرل سٹاف تعین کیا گیا۔ انور مہم کے منتظم تھے۔ اگرچہ مصطفےٰ کمال اور ان کے درمیان اختلاف کی گہری خلیج حائل تھی مگر ملک کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے اس محب وطن نے انور کے ماتحت کام کرنے میں ذرا بھر بھی احتراز نہ کیا۔ فوجی نکتہ نگاہ سے انور کے حملہ کی تجاویز غلط تھیں۔ مگر وقت کی نزاکت کو نظر رکھتے ہوئے مصطفیٰ کمال نے چون وچرا نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترکوں کو یونانیوں کے مقابلے میں پے در پے شکستیں ہوئیں۔ جمال بے نے قسطنطنیہ میں کمر ہمت باندھی اور وزیر حرب محمود شوکت پاشا کی پالیسی کے خلاف صدائے احتجاج اٹھانے کا فیصلہ کیا پندرہ جون ۱۹۱۳ء کو نئے وزیر حرب بھی قتل کئے گئے۔ انجمن اتحاد ترقی پورے زوروں پر تھیں۔ وزیر حرب کے قتل کی سازش میں تیرہ آدمیوں کو پھانسی کی

سزا تجویز ہوئی۔ جب موت کے وارنٹ دستخطوں کے لئے سلطان المعظم کے حضور میں پیش ہوئے تو انہوں نے خوشی خوشی بارہ وارنٹوں پر دستخط کر دئے جب تیرھویں پر دستخط کرنے لگے تو غش کھا کر اوندھے گر گئے۔ یہ موت کا وارنٹ ان کے اپنے داماد صالح پاشا کے نام کا تھا۔ خلیفۃ المسلمین طلعت کے سامنے دو زانو ہو کر رونے لگے۔ مگر کمیٹی سمجھتی تھی کہ صالح پاشا کو پھانسی دینا اس امر کی بین شہادت ہے کہ کمیٹی کی حکومت نہایت زوروں پر ہے۔ اگلے روز ملک معظم کے داماد کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

اس ظلم کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ خانہ جنگی ختم ہو گئی۔ لوگوں کے دلوں پر سخت گیری کا سکہ بیٹھ گیا مگر وہ انقلابی جنہوں نے اس نظریہ سے انقلاب برپا کیا تھا کہ آئینی حکومت ہو گئی تو ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو جائے گا اور ملک میں امن رائج ہو گا کمیٹی کے پھر اسی طرح پر مخالف ہو گئے جس طرح سلطان عبد الحمید کے تھے۔ ریاستہائے بلقان آزاد ہو گئیں۔ ایڈریانوپل ترکوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ البانیا جس میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی ایک خود مختار سلطنت قائم ہوئی سربیا کو سخت مایوسی ہوئی کہ اس کا علاقہ سمندر تک نہ پہنچ سکا۔ ترکوں کے ہاتھ سے بہت بھاری علاقہ نکل گیا۔

صلح نامہ لنڈن کے تھوڑے عرصہ بعد ریاستہائے بلقان میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ سربیا اور یونان نے متفق ہو کر بلغیریا پر حملہ کر دیا۔ رومینیا نے جس کی آنکھیں دیر سے جنوبی دوبرجا پر لگی ہوئی تھیں صوفیا پر فوج کشی کی شاہ فرڈی نینڈ نے شرائط پر قبضہ کرنے کے لئے

ہاتھ پاؤں مارے۔ الغرض ؎

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینہ کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ترکوں نے موقعہ کو غنیمت جان کر اس سے فائدہ اُٹھانے کی ٹھان لی۔ ایک دفعہ پھر کمال اور انور نے اپنے سروں کو جوڑا اوّل الذکر اس وقت فوج میں لفٹنٹ کرنیل تھے اور موخر الذکر میجر کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ ابھی فوجیں ایڈریانوپل سے چند دنوں کی مسافت پہ تھیں کہ انور نے کمانڈر انچیف سے خاص طور پر اجازت حاصل کی اور اگلی فوج سے جا ملے۔ دس دن کا سفر انہوں نے دو دن میں ختم کیا۔ وہ اپنے دستہ کے ساتھ دن رات سفر کرتے ہوئے بلگیریا کے مقابل آ پہنچے۔ بلگیریا کے جاسوس یہی خبر دے رہے تھے کہ کمال اور انور دس دن کی مسافت کے فاصلہ پر ہیں کہ صبح صادق کے وقت تیئیس جولائی ۱۹۱۳ء کو جبکہ ٹرکی کے دوسرے علاقوں میں انقلابی سلطان عبدالحمید کی معزولی کا سالانہ جشن منا رہے تھے۔ انور تکبیروں کے ساتھ ایڈریانوپل میں اپنی فوج کے ہمراہ داخل ہوئے اور جبین نیاز اپنے خالق کے سامنے رکھ دی۔

ان دنوں وزیر اعظم کا خیال تھا کہ فوج کی ترتیب و تنظیم جرمن افسروں کی زیر نگرانی کرائی جائے۔ اکثر ترک افسر جرمنی کے تعلیم یافتہ تھے قیصر ولیم کا اقتدار اور رسوخ بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ قیصر کا استقبال یوروشلم میں اس طور پر کیا گیا تھا کہ یوروپ کے دیگر بادشاہ اسے رشک بلکہ حسد

کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ دمشق میں اس کی وہ آؤ بھگت کی گئی کہ اس سے قبل کسی تاجدار کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ قیصر ولیم سلطان غازی صلاح الدین ایوبی کے مزار پر عقیدت کے پھول نچھاور کرنے کے لئے تین میل پیادہ پہنچے اور مزار مبارک پر ایک بیش بہا قیمتی غلاف چڑھایا جس پر سونے کے حرفوں سے لکھا ہوا تھا "قیصر ولیم عظیم الشان جرمنی کا حکمران دنیا کا سب سے بڑا شہنشاہ تاجدار صلاح الدین ایوبی کی بارگاہ میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے"۔

ان واقعات سے ہمارا مطلب صرف یہ دکھانا تھا کہ جرمنی کا رسوخ و اقتدار ٹرکی میں انتہائی درجے تک پہنچ چکا تھا۔ جب وزیر اعظم نے افواج کی ترتیب و تنظیم کا ارادہ ظاہر کیا کہ جرمن افسروں کی زیر نگرانی کرائی جائے تو مصطفٰے کمال تڑپ اُٹھے اور کہا "مجھے اس سے قطعی اتفاق نہیں۔ اس سے بزدلی اور بے وقوفی ٹپکتی ہے بزدلی اس لئے کہ ترکوں کو اپنے آدمیوں کی قابلیت پر اعتبار نہیں اور بے وقوفی اس لئے کہ ہماری کمزوریوں اور خامیوں کا پتہ دوسری قوموں کو لگ جائے گا۔ انہوں نے وزیر اعظم کی تجویز کے خلاف مقالے لکھے پمفلٹ تقسیم کئے مگر ان کی کسی نے نہ سنی بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو پھر دور دراز علاقہ صوفیہ میں تبدیل کر دیا گیا تاکہ ہمیشہ کے لئے ان کے لبوں پر مہر سکوت لگ جائے۔

سنہ ۱۹۱۴ء کا موسم سرما یورپ کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا تھا۔ تمام طاقتیں دولت کے نشے سے مخمور تھیں۔ مصطفٰے کمال کی

دوربین نگاہ نے بھانپ لیا کہ وسطی یوروپ کی تمام طاقتیں جنگ عظیم کی تیاری میں مصروف ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ جرمنی کا اثر ٹرکی پر بہت زیادہ ہے۔ وہ بیانگ دہل کہتے کہ اگر جرمنی نے جنگ عظیم میں فتح پائی تو وہ ٹرکی کو اپنا خوشہ چیں بنائے گا۔ ٹرکی کی حیثیت غلامانہ ہوگی اور اگر جرمنی کو شکست ہوئی تو ٹرکی پس جائے گا۔

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم بینا دیکھ لیتی ہے
زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے

صوفیہ میں معاشرتی زندگی کے لئے سلطانہ اسٹریٹ پرفوزی کا مکان تمام دل آویزیوں کا مرقع تھا۔ تمام ریاست ہائے بلقان میں خاتون موصوف اپنی قابلیت کے لیے مشہور و معروف تھیں ان کی نسبت چرچا تھا کہ وہ نہایت عمدہ گفتگو کرنے والی با مذاق، سلیقہ دار اور باتمیز عورت ہیں ان اوصاف کے علاوہ وہ نہایت اعلیٰ پایہ کی مصنفہ تھیں۔ مشرق و مغرب کے معاملہ فہم ایلچی مدبران کے مکان پر حاضر ہونا فخر سمجھتے۔ پیچیدہ معاملات اور اہم امور کا تصفیہ ان کے ڈرائنگ روم میں ہوتا۔ دیگر معزز مہمانوں میں فتحی بے سفیر ٹرکی اپنی شام کی فرصت وہیں بسر کرتے۔ بسا اوقات ان کے عزیز نائب مصطفیٰ کمال بے ان کے ہمراہ ہوتے۔ فتحی بے نہایت شریف اور ممتاز گھرانے کے فرد تھے۔ انہیں گفتگو کرنے میں ملکہ خداداد حاصل تھا وہ اس قسم کی گفتگو کرتے کہ دلوں کو موہ کر اپنا گرویدہ بنا لیتے۔ وہ اس قدر بہترین مقال تھے کہ عوام انہیں عندلیب سے مشابہت دیتے وہ بہت

زیادہ باتیں کرتے اور ہر شخص ان کے اخلاق سے متاثر ہوتا۔

جس قدر فتحی بے زیادہ خوش باش اور پرگو تھے۔ اسی قدر ان کے ساتھی مصطفےٰ کمال محتاط کم گو اور غیر جانب دار۔ مصطفےٰ کمال کے خط و خال سے اور ان رویہ سے صاف عیاں تھا کہ وہ ہر وقت کسی سوچ میں منہمک رہتے ہیں ان کے حال سے چال سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک نہایت اعلےٰ درجہ کا سپاہی ہے جسے وطن کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے۔ یہ عام طور پر مشہور تھا کہ باوجود اس اختلاف کے جو ان کی طبیعتوں میں ہے ان میں گہری وابستگی اور دلچسپی ہے۔ اس علاقہ میں افسر اور اس کے نائب کی محبت ضرب المثل تھی۔ وہ ساتھ کھیلے اور پڑھے ہم جولی تھے۔

صوفیہ میں ۱۹۱۴ء کے موسم سرما کی دلچسپی روسی سفیر جنرل کوچاؤ کی دوشیزہ صاحبزادی تھیں۔ وہ تام خدا ابھی سترہ یا اٹھارہ کی ہونگی مگر ان کے حسن کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی اور صوفیا میں یکتائے زمانہ خیال کی جاتیں۔ وہ مصطفےٰ کمال کو نہایت وقار اور احترام کی نظروں سے دیکھتی مصطفےٰ کمال کے دل میں بھی ان کی چاہ گھر کر چکی تھی مصطفےٰ کمال کو ناچنے سے نفرت اور وہ ناچنے کی شیدائی مصطفےٰ کمال کی خاطر اس نے ناچنا چھوڑ دیا۔ عام طور پر مشہور تھا کہ بہت جلد ان کی شادی ہو جائے گی مگر مصطفےٰ کمال رقمطراز ہیں "اس میں شک نہیں کہ میں اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا اس کے عمدہ خط و خال دیکھ کر خالق کی قدرت و صنعت پر غور کرتا۔ مگر ہمیشہ بطور ہمشیرہ اس کی قدر و منزلت کرتا میرا عندیہ رہا ہے"۔

قسطنطنیہ میں حکومت کے ارباب لبست وکشاد نے یہ فیصلہ کر لیا
ہوا تھا کہ اس انقلابی جوشیلے نوجوان کو دار الخلافہ سے جس قدر ممکن ہو دُور
رکھا جاوے چنانچہ اسی غرض و غایت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں فتحی بے کا
نائب مقرر کیا گیا تھا۔ تمام ترکش پارٹی مصطفےٰ کمال کی سخت مخالف تھی
مگر فتحی بے فرد واحد تھے جو ان کی ہر جائز و ناجائز بات میں حمایت کرتے وہ
بڑے مردم شناس شخص تھے۔ وہ خوب جان چکے تھے کہ یہ تابندہ جوہر ایک
دن دنیا میں انقلاب پیدا کرے گا اور اصلی معنوں میں ترکی کا نجات دہندہ
ہوگا۔ بارہا فتحی بے نے دعوتوں میں مجلسوں میں علی الاعلان کہا کہ مصطفےٰ
کمال ان لوگوں میں سے ہیں جو دنیا کی تاریخ میں انقلاب عظیم برپا کرنے کے
لئے پیدا ہوتے ہیں محمود شوکت پاشا کی وفات پر مارشل عزت پاشا وزیر حرب
مقرر ہوئے۔ عزت پاشا نہایت قابل جرنیل تھے وہ ان لوگوں میں سے تھے
جو دنیاوی وجاہت کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ پہلی دفعہ جب انہیں وزیر
حرب کی اسامی پیش کی گئی تو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے صاف
انکار کر دیا مگر جب ان پر زور ڈالا گیا تو قوم کی خاطر انہوں نے عہدہ کو شرف قبولیت
بخشا۔ وہ البانیا کے رہنے والے تھے۔ ان کا تعلق ایک معزز خاندان سے
تھا۔ ان کا چلن اور اخلاق اس قدر اعلیٰ وارفع تھا کہ ان کے بدترین دشمن
بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ ان کا کسی پولیٹیکل پارٹی سے
تعلق نہیں تھا۔ ان کا نصب العین محض قوم و ملت کی خدمت تھی۔ جب
وہ کسی عہدہ کو قبول کرتے تو وہ خدمت جو ان کے سپرد ہوتی سرانجام

دے کر فوراً مستعفی ہو جاتے۔ جب البانیا کو آزادی مل گئی تو وہاں کی بادشاہت مارشل عزت پاشا کو پیش کی گئی مگر انہوں نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ اپنی سوانح حیات میں رقمطراز ہیں "مجھے بادشاہت نے کبھی بھی مرعوب نہیں کیا اور نہ میں اس کے حق میں ہوں۔ میرے خیال میں اصلی اسلامی درسگاہ جمہوریت ہے اور یہی وجہ تھی کہ میں نے مادر وطن کے تاج سے انکار کر دیا"۔

تقرر کے چند ماہ بعد جب عزت پاشا نے محسوس کیا کہ وہ اصلی معنوں میں قوم کی خدمات انجام نہیں دے سکتے تو انہوں نے باب عالی میں استعفا داخل کر دیا۔ مارشل عزت پاشا کے مستعفی ہو جانے کے بعد مشہور و معروف انور پاشا جن کا سن ۲۶ سال کا تھا۔ وزیر حرب مقرر ہوئے عزت پاشا کے مستعفی ہو جانے کے بعد تین اشخاص یعنی انور۔ طلعت اور جمال کی حکومت ملک میں قایم ہو گئی۔ یہ تینوں جو چاہتے ہوتا۔ جو دل میں آتا کرتے اور بادشاہ ان کی بانسری کی لے پر ناچتے۔

یہ ناانصافی ہو گی اگر ہم انور کے متعلق کچھ نہ لکھیں۔ ان تین مذکورہ اشخاص میں سے انور نہایت بہادر دلیر ...... اور صاحب فراست انسان تھے۔ ان کے پہلو میں نہایت عمدہ دل تھا اور دل قومی درد سے لبریز تھا۔ بارہا انہوں نے شجاعت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ انسانی عقل حیران رہ گئی۔ البانیا کی بغاوت کے دوران میں جو سپاہیوں نے افسروں کے خلاف بپا کر رکھی تھی انور پاشا بھری ہوئی توپ کے منہ کے آگے بیٹھ

گئے اور کہا اگر تم ٹرکی کو برباد کرنا چاہتے ہو تو بے شک توپ چلا کر مجھے مار ڈالو میرے بعد جو چاہو کرو۔

ہاں اگر ان کی طبیعت میں جوش اور تعجیل مفقود ہوتا ہر بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا مادہ ہوتا تو وہ ایک بے نظیر انسان ثابت ہوتے یہی اصلی وجہ تھی جو ان کے اور مصطفی کمال کے مابین اختلاف کا باعث ہوئی۔ انور پاشا کی فطرت ثانیہ تھی کہ وہ فوراً ہر بات کا فیصلہ کر دیتے اور پھر فوراً ہی اس سے بدل جاتے مصطفی کمال کے کان یوروپین سلطنتوں کے ہتھیاروں کی چھنکار سن کر آنے والی جنگ کے نقشے دیکھ رہے تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انور پاشا وزیر حرب ہیں۔ وزارت میں وہ سب سے لائق ہیں۔ بادشاہ کے وہ داماد ہیں۔ جرمنی کے پڑھے ہوئے ہیں قیصر ولیم کے مداح ہیں۔ جوشیلی طبیعت والے ہیں اس لئے ٹرکی کا لڑائی میں کودنا از حد ممکن ہے۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ ان کی مادر وطن اس آگ سے باہر رہے مگر ع۔ صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ جرمن جرنیل ہانس گانگر پاشا کی کتاب گیلی پولی سے ٹرکی کے جنگ عظیم میں کودنے کا واقعہ ان کی زبان سے یہاں درج کریں تاکہ ناظرین پر بخوبی روشن ہو جائے کہ ٹرکی کس طرح لڑائی میں کودا۔

"دس اگست ۱۹۱۴ء کو میں انور پاشا وزیر حرب کی سرکار میں روزانہ رپورٹ دے رہا تھا کہ دربان نے لفٹنٹ کرنیل خان کریس کی آمد کی رپورٹ دی اور کہا کہ کرنیل موصوف نہایت ضروری کام کے لئے حاضر

ہوئے ہیں اور عرض خواہ ہیں کہ انہیں نہایت اہم اور ضروری بات وزیر حرب کے گوش گذار کرنی ہے۔ چنانچہ وہ فوراً طلب کئے گئے اور انہوں نے کہا کہ جنگی جہاز گوبن اور بریسلا ڈارڈنلز کے دہانے پر کھڑے ہیں اور بلا حیل و حجت گذر جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ اہل قلعہ بضد ہیں کہ ان کے متعلق مناسب احکام حضور سے صادر کئے جاویں۔

انور پاشا نے ایک منٹ کے لئے غور کیا اور پھر کہا۔ جب تک وزیر اعظم سے مشورہ نہ کر لوں میں کوئی احکام اس کے متعلق صادر نہیں کروں گا

کرس نے زور دے کر کہا ہمیں تو فوراً بذریعہ تار انہیں مطلع کرنا ہے۔

"تو پھر جہازوں کو گذر جانے دو"۔

حیرت دل کی تشفی ہوئی اور تشویش دور ہو گئی۔

کرس نے پھر عرض کیا کہ اگر انگریزی جہاز جرمن جہازوں کا تعاقب کریں تو ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

انور پاشا نے کہا یہ نہایت اہم معاملہ ہے اور وزارت کے مشورہ کے بغیر میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتا۔

کرس نے نہایت ادب و متانت سے کہا حضور والا ہم ماتحتوں کو ایسے اہم معاملے میں بغیر مناسب احکام کے کس طرح چھوڑ سکتے ہیں۔

وہ فوراً بولے "ہاں اگر وہ تعاقب کریں تو پھر ان پر فوراً گولا باری شروع کر دو"۔

یہ تھے واقعات جن کے ماتحت ترکی نے جنگ عظیم میں اتحادیوں کے

خلاف اعلان جنگ کیا طلعت پاشا کے روبرو جب معاملہ پیش کیا گیا تو گو وہ دل سے اس کے مخالف تھے مگر بظاہر انہوں نے بھی چپ سادھ لی۔ اور مزاحم نہ ہوئے ؛

انور اور طلعت کی طبائع میں زمین و آسمان کی تفاوت تھی طلعت حلیم بردبار اور سادہ طبیعت کے تھے اور انور نہایت جوشیلے محض آگ اور ٹھاٹھ دار انسان تھے۔ طلعت قسطنطنیہ کے ایک غیر معروف کوچہ میں ایک کم حیثیت مکان میں زندگی کے دن بسر کرتے۔ ان کے دیوان میں ٹیلیگراف کا آلہ نصب تھا وہ اپنی فرصت کے اکثر اوقات اس پر مشق کرنے میں گذارتے۔ اس کے برعکس انور شاہی محلات میں ایسی شان کی زندگی بسر کرتے کہ ان کا محل یورپ اور ایشیا کا بہترین عجائب گھر سمجھا جاتا ؛

ان کے تیسرے ساتھی جمال پاشا تھے۔ وہ پست قد۔ فربہ بدن اور زرد رو تھے۔ ان کا مزاج انور پاشا کی طرح جوشیلا تھا۔ ان کی نسبت مشہور تھا کہ ان کے دادا قسطنطنیہ کے جلاد تھے اور یقیناً جلادی انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ اگرچہ وہ ذکی تھے لیکن اپنے دونوں ساتھیوں سے انہیں کوئی مناسبت نہ تھی۔ ان کی دلی ہمدردی فرانس سے تھی اور وہ جولائی ۱۹۱۴ء میں بھی پیرس اس غرض سے گئے تھے کہ ٹرکی کا رابطہ اتحاد فرانسیسی حکومت سے ہو جائے۔ جب وہاں انہیں کامیابی نہ ہوئی تو پھر ان کی رجحان طبیعت انور پاشا کے اثر سے جرمنی کی طرف مائل ہو گئی۔ وہ نہایت امیر تھے۔ گر سیاسی معاملات سمجھنے سے قطعی طور پر قاصر تھے ؛

اس میں کلام نہیں کہ ان تین اشخاص کی مشترکہ حکومت کے اولین زمانہ میں ملک کی حالت بہتر ہونے لگی مگر چند ہی دنوں میں انکا وقار ایسا ہوگیا کہ انہوں نے انجمن اتحاد وترقی کی ضرورت نہ سمجھی اور ممبری چھوڑ دی جب انہیں کسی مطلب براری کے لیئے کمیٹی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ اسے زندہ کر لیتے ورنہ عام طور پر وہ مردہ خیال کی جاتی تھی۔ پارلیمنٹ نام کی پارلیمنٹ تھی اور بادشاہ محض دستخط ثبت کرنے کی مشین۔

انور کیپیٹلیشن سے نہایت جلتے اور ٹرکی کی جنگ میں مداخلت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لعنت ملک کے گلے سے اتر جائے۔ جنگ عظیم سے پیشتر بھی انہوں نے کوشش کی تھی کہ اس روگ سے ملک نجات پائے۔ انہوں نے تمام یوروپین حکومتوں کو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ بحری طاقت کی تنظیم انگلستان کے سپرد ہوئی۔ فوجی پولیس کی تربیت فرانس کو سونپی گئی۔ اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے یوروپ کے ملکوں سے ماہرین طلب کئے۔ فوج کی تنظیم جرمن افسروں کی زیر نگرانی کرائی گئی۔ روس اور انگلستان نے جرمنی کی مداخلت پر بہت شور مچایا۔ مگر انور پاشا کیوں پرواہ کرتے۔

اعلان جنگ کے بعد حکومت کی یہ روش رہی کہ مصطفی کمال کو میدان کارزار میں نہ بھیجا جائے۔ اس سے ان کا جی کڑھتا وہ محسوس کرتے کہ ملک و ملت کی خدمت نہ کرنے میں وہ ایک گناہ عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں انہوں نے تنگ آکر وزیر اعظم کو خط لکھا جس کا مفہوم یہ تھا کیا مجھے اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ میں ملک کی آزادی برقرار رکھنے میں حصہ لے سکوں قسطنطنیہ میں رقابت

کا بازار گرم تھا لہذا انہیں کوئی جواب نہ ملا۔

۱۹۱۵ء کے آغاز تک لڑائی ہوتی رہی۔ کبھی ایک فریق کا پلہ بھاری ہو جاتا کبھی دوسرے کا۔ اتحادیوں کو قدرتی طور پر اپنی بحری طاقت پر بہت ناز اور زعم تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ طاقت جس کا شیرازہ بلقانیوں نے منتشر کر دیا تھا اتحادیوں کے مقابلے میں زیادہ دیر تک نبرد آزما نہ ہو سکے گی۔ جب روس کے جہاز رسد اور سامان حرب سے بھرے ہوئے اتحادیوں کے لئے آئے تو وہ بحر اسود میں بیکار پڑے رہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اتحادیوں کو درہ دانیال کے استحکام کا احساس ہوا۔

۲ جنوری ۱۹۱۵ء میں جب حلیفیوں کو شکست فاش ہوئی۔ تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ مصطفےٰ کمال کو قوم کی ڈوبتی کشتی بچانے کے لئے بلایا جائے۔ چنانچہ انہیں سیکنڈان کمانڈر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اس تن دہی سے قوم کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا دیا کہ وہ صاف بچ نکلی ڈسپچز میں ان کا تذکرہ ہوا۔ ترکی اخبارات نے ان پر افتتاحی مکالمے لکھے۔ اتحادی فوجوں میں ان کا چرچا ہونے لگا۔ قیصر ولیم نے اپنے ہاتھ سے مبارک باد کا خط لکھا۔ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور اتحادیوں کو بھی آپ کو داد شجاعت دینی پڑی۔

اتحادیوں نے فیصلہ کیا کہ درہ دانیال کو جس طرح بھی ہو کھولا جائے چنانچہ طے پایا کہ فرانسیسی اور انگریزی جہاز ڈارڈنلز کے تنگ راستے سے زبردستی گزرنے کی کوشش کریں۔ لیکن اس مہم میں سخت ناکامی ہوئی متعدد نہایت عظیم الشان جنگی جہاز وہاں غرق ہوئے۔ اس وقت مصطفےٰ کمال ہاں

انچارج تھے۔

دوسری دفعہ پھر ڈارڈنلز پر قسمت آزمائی کی گئی تمام اتحادیوں کے زبردست جنگی جہازوں نے مشترکہ حملہ کیا۔ حلیفوں نے قلعوں کو اس طور پر مستحکم کیا ہوا تھا کہ وہاں سے گذر جانا ناممکن امر تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں سے زرکسیز نے یونانیوں پر حملہ کیا تھا۔ اسکندر اعظم اور باربروسا کو یہیں سے ناکام واپس ہونا پڑا تھا۔ اور یہ وہی جگہ تھی جہاں ترکوں نے پہلی دفعہ اپنے قدم جما کر ساحل یوروپ پر قدم رکھا تھا۔ دوسری حملہ میں قریباً پچاس ہزار سے زائد اتحادی کام آئے اور سینکڑوں جنگی جہاز کاغذوں کی کشتیوں کی طرح غرق ہوئے گویا کہ وہ بچوں کا کھیل تھا۔ جب اتحادیوں کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ خشکی کے راستے حملہ کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ آبنائے کی زمین پر قبضہ کرکے انہیں قلعوں پر قابض ہونے میں آسانی ہوگی۔ ہر ممکن احتیاط سے حملہ کی تیاری کی گئی۔ کروڑوں روپیہ کا سامان حرب اس مہم کے لئے منگوایا گیا۔ بہترین لڑنے والے اسکاٹ۔ آسٹریلین۔ نیوزی لینڈز فرانسیسی۔ اور اطالوی اور ہندوستانی جمع کئے گئے۔

ترکی کی فوجیں ڈارڈنیلز کے جزیرہ گیلی پولی کے شمال کی طرف ڈیرے ڈالے تھیں۔ تمام جنگ کی قسمت کا فیصلہ اس مہم پر مبنی تھا۔ اس زور کی لڑائی تھی کہ قلم کو اس کے بیان کا یارا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ تمام یونانی دیوتاؤں نے ترکوں کو مٹا دینے کی ٹھان لی ہے۔ ہر روز اتحادیوں کو شکستیں ہوئیں۔ ایشائے کوچک سے جو ترکوں کی مہم آئی اس طور پر لڑی کہ اتحادیوں کے

چھکے چھوٹ گئے۔ ترکوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ اس طور پر فوجوں کو پھیلایا ہوا تھا گویا کہ مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ آبنائے لمبی اور تنگ ہے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اتحادی کس وقت حملہ آور ہونگے۔ انتظار کی گھڑیاں مشکل سے کٹتی ہیں۔ یکم اپریل کی آدھی رات کو غنیم نے تین سمتوں سے حملہ کر دیا ایسا نظر آتا تھا۔ گویا کہ ہزاروں سپاہی زمین سے اگل دئیے ہیں۔ اتحادیوں کو باقاعدہ طور پر جہازوں سے کمک پہنچ رہی تھی اور وہ ترکوں کو آگے دھکیلتے جاتے تھے۔ اتفاق کہئے یا خوش قسمتی مصطفےٰ کمال نے اس رات فوج کے ایک دستہ کی کمان اس جگہ تعین کی تھی جہاں گھمسان کا رن تھا۔ وہ اتفاق سے وہاں آپہنچے اور سپاہیوں کی گھبراہٹ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے کیا بات ہے! کیا بات ہے"

"انگریز آرہے ہیں۔ انگریز آرہے ہیں"

مصطفےٰ کمال نے افسر آف دی جنرل سٹاف سے دریافت کیا

"کیا ہمارے پاس کافی گولیاں۔ باروت اور بم ہیں"

"حضور ہیں"

"تو پھر اٹھو اور اتحادیوں کا خاتمہ کر دو"

مصطفےٰ کمال بذات خود سینہ سپر ہو گئے اور اپنے ہاتھوں سے اس طور پر گولے پھینکے کہ تمام کے تمام اتحادی جو آدھی بردن کی چوٹی پر قابض ہو گئے تھے۔ سمندر میں جا گرے۔ ترکوں نے وہ شاندار فتح حاصل کی کہ گیلی پولی کی تاریخ کے اوراق مصطفےٰ کمال کی جانفشانیوں سے بھرے ہوئے

ہیں اور اختصار کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ دی آنریبل کرنل آبری ہربرٹ ایم پی کا بیان ہے کہ "ایک دفعہ پچاس ہزار فوج ہسپتال کے جہازوں میں درہ دانیال پہنچائی جا رہی تھیں۔ جہازوں پر ہسپتال کا پھریرا اللہا رہا تھا۔ کہ غنیم جہازوں کو تباہ نہ کرے۔ جہازوں میں کچھ زخمی اور بیمار بھی تھے۔ بین الاقوامی قانون کے ماتحت ہسپتال پر گولہ باری کرنا جرم ہے۔ مصطفےٰ کمال کے جاسوسوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ انہوں نے مصطفےٰ کمال کو مطلع کیا۔ مگر اس شریف النفس انسان نے ان کو تباہ نہیں کیا حالانکہ اگر وہ چاہتے تو یہ چشم زدن کا کام تھا۔ انہوں نے لاسلکی کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ "یہ شرافت نہیں ہے کہ زخمیوں اور بیماروں کی آڑ میں سپاہیوں کو میدان کارزار میں لایا جائے۔ ہم اس جہاز پر گولہ باری کرنا گناہ سمجھتے ہیں جس پر ہسپتال کا پھریرا اللہا رہا ہو۔ اس لئے بہتر ہے کہ اس جہاز کو واپس لے جاؤ"۔

جنگ کے دوران میں انہیں بہادر اور شریف دشمن کا خطاب دیا گیا۔ کرنل موصوف نے ۱۹۲۱ء میں ہوس آف کامن میں ان کے متعلق کہا "کمال پاشا کو میں نے بچشم خود ایک سپاہی کی حیثیت میں کام کرتے دیکھا ہے۔ ان کا اخلاق اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ مجھے وہ ایک ولی معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے انہیں سپاہیوں کی تجہیز و تکفین میں مشغول دیکھا۔ وہ ایک معمولی سپاہی کی طرح بذات خود قبریں کھودتے مردوں کو نہلاتے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے۔ دوائیں پلاتے۔ راتوں جاگتے اور

صبح کو بطور رکھا نڈر اپنے کام میں مشغول ہوتے گویا کہ وہ لوہے کے بنے ہوئے ہیں۔

مصطفیٰ کمال کو جو فتح آرسی بردن پر حاصل ہوئی اسے قسطنطنیہ میں خاص وقعت کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ وزیر حرب چاہتے تھے کہ یہ فتح ان کے ہاتھ سے ہوتی اور ان کی شہرت کو چار چاند لگتے۔ اس لئے انہوں نے واقعات تشہیر کرنا مناسب خیال نہ فرمایا۔

روسی کوہ کاف کے راستے ترکی کی سرحد میں گھس آئے تھے انور پاشا نوے ہزار فوج لے کر ان کے مقابلہ میں جا ڈٹے۔ ان کو خیال ہوا۔ کہ وہ انہیں ایسی شکست فاش دیں کہ انہیں دھکیلتے ہوئے افغانستان کی سرحد پر جا پہنچیں اور وہاں سے ہندوستان پر حملہ کر دیں۔ مصطفیٰ کمال سے مشورہ طلب کیا گیا۔ انہوں نے سخت مخالفت کی اور کہا کہ اتنے محاذ قائم کرنا سراسر غلطی ہے مگر ان کی کون سنتا تھا۔ انور پاشا نوے ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوئے مگر مہم کو سخت ناکامی ہوئی اور فوج کا وہی حال ہوا جو ۱۸۱۲ء میں نپولین اعظم کی فوج کا حشر ہوا تھا۔ نوے ہزار فوج سے بارہ ہزار نفوس واپس آئے باقی ماندہ پہاڑوں کی سردی۔ بھوک۔ تھکاوٹ اور وبا کا شکار ہوئے۔ ان باقی ماندہ بارہ ہزار کو ٹائیفائڈ بخار نے آدبایا اور قریباً آدھے سے زیادہ لقمہ نہنگ اجل ہو گئے۔

اس خبر کو جہاں تک ہو سکا ملک کے کانوں سے چھپایا گیا۔

مگر راز کہاں تک چھپ سکتا تھا۔ لوگوں کو جب اس کی تفصیل کا پتہ چلا تو وہ بہت برہم ہوئے مگر حکومت کے معاملے میں ان کی کیا پیش چل سکتی تھی۔

ہم بارہا اس امر کا اعادہ کر چکے ہیں کہ حکومت کی روش ہمیشہ مصطفےٰ کمال کے خلاف رہی وزیر حرب فوجوں کے معائنہ کے لئے گیلی پولی تشریف لے گئے۔ صرف مصطفیٰ کمال کا ڈویژن ایسا تھا۔ جہاں وہ نہ پہنچے۔ اس سے ان کی ہتک مقصود تھی۔ مصطفیٰ کمال کی بہت دل شکنی ہوئی مگر وہ کسی خاص شخص کی خاطر یہ سب جاں فروشی تو کر ہی نہ رہے تھے، اس لئے خود ہی دل کو ڈھارس بندھائی اور پھر پہلے کی طرح برسر کار ہو گئے۔

اگست میں پھر اتحادیوں نے گیلی پولی پر تیسری بار قسمت آزمائی کی ٹھان کر نہایت شان سے خوفناک حملہ کیا۔ کچنر آرمی جو کہ سب سے زیادہ مضبوط سمجھی جاتی تھی شامل ہوئی۔ جنگی جہاز الزبتھ مع دیگر سینکڑوں جہازوں کے دوسری طرف سے حملہ آور ہوئے۔ انگریز کمانڈر انچیف جنرل ہملٹن رقمطراز ہیں کہ "ہماری فتح میں صرف دو منٹ کی کسر باقی رہ گئی تھی" جنگی جہاز الزبتھ دیگر دو جہازوں کے ساتھ سمندر میں غرق ہو گئے۔

ہاں البتہ کچنر آرمی کو قدرے کامیابی ہوئی انہوں نے آری برون کی چوٹی پر قبضہ کر کے ترکوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ اتحادیوں کو امید بندھ گئی کہ اب وہ انفنترا پر ضرور قابض ہو جائیں گے اور اگر وہ انفنترا پر قابض ہو گئے تو پھر گیلی پولی پر قبضہ جمانا کوئی اہم کام نہیں۔ ایک طرف سے جہازوں نے گولہ باری شروع کی دوسری طرف فوجوں نے بڑھنا شروع کیا۔ ترکوں کی

فوجوں کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ اتحادیوں کی پچیس پلٹنیں بڑی شان سے
بڑھ رہی تھیں۔ جنوبی طرف لنکا شائر اور گورکھے بڑھے چلے جاتے تھے اور
وہ ایک پہاڑی پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوئے۔ مصطفےٰ کمال بجلی کی
طرح اپنے سپاہیوں کو ڈھلوان پر لائے۔ فوجوں کو جمع کیا۔ ان کو دائیں بائیں
ترتیب دے کر ان کو آن کی آن میں اس طور پر جما دیا گویا وہ کسی کے استقبال
کے لئے کھڑے ہیں۔ یہ ڈارڈنلز کی سب لڑائیوں سے اہم اور خوفناک لڑائی
تھی۔ اگرچہ کمانڈر انچیف کا حکم تھا کہ اس رات آرمی کور مع جنرل
ان کمانڈ موقع پر حاضر رہے مگر جنرل ان کمانڈ وہاں موجود نہ تھے۔ سپہ سالار
لان فان سانڈرس دوران لڑائی وہاں بذات خود پہنچے اور جنرل ان کمانڈ
کو موقوف کر کے مصطفےٰ کمال کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ کئی ایک دن تک یہ
لڑائیاں جاری رہیں۔ اتحادیوں نے آرمی برون چوٹی پر قبضہ کرنے کے
لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر وہ تمام چھوٹی پہاڑیوں پر جہاں اتحادیوں
نے قبضہ کر لیا تھا یکے بعد دیگرے سوائے ایک کے سب ان کے قبضہ
سے نکل گئیں۔ صرف ایک پہاڑی اتحادیوں کے قبضہ میں رہ گئی۔ مصطفےٰ
کمال نے چار دن تک متواتر کھانے کو نہ چھوا۔ وہ بہادروں کا دل بڑھاتے
کہتے تھے یا تم مارے گئے تو شہید زندہ رہے تو غازی۔ بہادرو اپنی
بیویوں ماؤں بہنوں اور بچوں کا خیال کرو۔ اگر آج تمہیں شکست فاش ہوئی
تو تمہاری لڑکیاں اور بہنیں بیواؤں کی طرح بازاریں ہونگی۔ تمہارے بچے
قتل کئے جائیں گے۔ آزادی کے طالبو آج دکھا دو کہ ترک قوم زندہ رہنا

چوتھا گولہ اس وجہ سے رک گیا کہ مشین چلتی چلتی بگڑ گئی ۔

ہر سپاہی زندگی کے متعلق قسمت پرشا کر ہوتا ہے مگر آرنی بیرون اور انفنترا کی فتح کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا کے دل کو ایک عجیب قسم کی تسکین ہوگئی ۔ ان کا یقین ایمان کو پہنچ گیا کہ وہ دنیا میں کسی عظیم کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ۔ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ جس دن سے ان کے اقبال کا آفتاب طلوع ہونا شروع ہوا ۔ انور پاشا کا اقبال ڈھلنے لگا ۔ سپہ سالار اور انور پاشا میں کمال کی وجہ سے اختلاف بڑھنے لگا اور بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ کمال مستعفی ہو گئے ۔ عرصے کے بعد جب تینوں مقتدر ہستیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تو مصطفیٰ کمال پاشا سپہ سالار مقرر کئے گئے ۔

دسمبر کا مہینہ تھا گھٹا ئیں چھا رہی تھیں رات کا وقت تھا کالی رات عجیب اور خطرناک منظر پیش کرتی تھی اتحادیوں نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر گیلی پولی سے لنگر اٹھا ئے جنگی جہاز اس طور پر غائب ہو گئے گویا کہ وہ کبھی وہاں آئے ہی نہ تھے ۔ لاکھوں آدمی اس مہم میں کام آئے ۔ کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا اور خدا خدا کر کے خطرناک مہم اختتام کو پہنچی ۔

مصطفیٰ کمال پاشا وہاں سے قسطنطنیہ پہنچے ۔ ان کا سکہ فوج میں جم چکا تھا عوام میں وہ فاتح آرنی بیرون اور انفنترا کے نام سے مشہور ہو گئے بعض مورخوں نے انہیں شفیع قسطنطنیہ سے ملقب کیا اور آج اطالوی مورخ انہیں دنیا کا نجات دہندہ خیال کرتے ہیں ۔

باب سوم

اے صبا صید کہ بے دام بفتراک زدیم
در بغل تیر و کماں کشتہ نخچیر شدیم

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ مصطفےٰ کمال نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا کہ ترک لڑائی میں نہ کودیں۔ تمام ترکی میں وہ ایک واحد شخص تھے جو کہ جنگ کا نتیجہ ترکوں کے لئے سخت خطرناک بتلاتے۔ وہ کہتے ہیں دیکھ رہا ہوں کہ غلطی جنگ میں پس جائیں گے۔ اس قدر محاذ قائم کرنا سراسر غلطی اور بے وقوفی ہے۔ ان کی ان سب باتوں کو بے وقوفی اور خود غرضی پر محمول کر کے ٹال دیا جاتا۔ جب وہ صوفیا میں مقیم تھے تو انھوں نے حکومت کو ایک مراسلہ بھیجا تھا کہ ترکوں کو لڑائی میں ہرگز نہ کودنا چاہیئے۔ ہم قطعی طور پر لڑائی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور اگر ترکوں نے لڑائی میں حصہ لیا تو میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ترک بچوں کو عرصہ دراز تک ہماری حماقتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا"

درہ دانیال سے واپسی پر مصطفےٰ کمال ایک دن وزیر خارجہ حلیم بے کی ملاقات کے لئے دفتر خارجہ میں حاضر ہوئے ان کی آمد کی اطلاع وزیر خارجہ کو کی گئی وہ قریباً دو گھنٹہ تک انتظار کرتے رہے۔ سیکرٹری وزیر خارجہ سمجھے کہ شاید وہ کمال کے متعلق قطعی طور پر بھول گئے ہیں سیکرٹری

نے پھر اندر جا کر اس کے متعلق یاد دہانی کی۔ وزیر خارجہ بہت بگڑے اور کہنے لگے اسے کہو کہ وہ انتظار کرے۔ متعدد ملاقاتی آتے رہے مگر کمال کو کسی نے اندر نہ بلایا۔

سیکرٹری وزیر خارجہ کو احساس تھا کہ اس قدر معزز ہستی اس طور پر باہر کھڑی منتظر ہے اور معمولی معمولی آدمی ملاقاتیں کر کے چلے جا رہے ہیں وہ پیچ و تاب کھا کر پھر اندر گئے اور کمال کے متعلق عرض کیا۔

وزیر خارجہ نے جھنجھلا کر جواب دیا اسے کہو اگر وہ ملاقات کرنی چاہتے ہیں تو انتظار کریں۔

تین چار گھنٹے کے بعد وزیر خارجہ کے دربان نے آکر کہا آپ کو اندر بلایا گیا ہے۔ وہ اس وقت سیکرٹری سے باتوں میں مشغول تھے۔ کہنے لگے وزیر خارجہ کو کہو کہ ابھی انتظار کرے۔

آخر سیکرٹری کی منتوں سماجتوں سے وہ وزیر خارجہ سے ملنے کے لئے گئے کہنے لگے۔

"اس قدر لڑائی کے محاذ قائم کرنا سراسر غلطی ہے۔ میں آپ کی وساطت سے حلیفوں کے کانوں تک یہ بات پہنچانا چاہتا ہوں کہ اب بھی اگر وہ سب محاذ چھوڑ کر صرف ایک محاذ پر زور ڈالیں تو شاید کامیابی کی کوئی صورت نکل آئے۔"

وزیر برہم ہوا اور کہا آپ جانتے ہیں مجھے ان باتوں سے سروکار نہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی داستان وزیر حرب سے کہیں میرے پاس

وقت نہیں کہ میں فضول باتوں میں ضائع کردوں"۔

اگلے دن وزیر خارجہ نے وزیر حرب کے پاس شکایت کی کہ مصطفےٰ کمال پاشا سخت بے باق اور گستاخ آدمی ہے چاہیئے کہ اسے سزا دی جائے۔ مگر مصطفےٰ کمال کا رتبہ ایسا تھا کہ انہیں سزا دینا کوئی آسان کام نہ تھا سوچ بچار کے بعد یہ مناسب خیال کیا گیا کہ انہیں دارالسلطنت سے کسی دور جگہ بھیجا جاوے اس لئے ان کا تبادلہ کوہ کاف میں کیا گیا اور وہ ایک سال تک وہاں محض بے کار پڑے رہے۔

وزیر حرب کی مخالفت دن بدن بڑھ رہی تھی وہ لوگوں کی نظروں سے گر گئے تھے۔ ان کی ہر دل عزیزی ختم ہو چکی تھی سوائے درہ دانیال اور قط العمارہ کے ہر جگہ ناکامیاں اور شکستیں ہو رہی تھیں۔ انور پاشا جرمنی کے بہت زیر اثر تھے۔ انہوں نے اپنے تمام اسٹاف سے ترکوں کو نکال نکال کر ان کی جگہ جرمنی افسروں کو متعین کر دیا۔ جرمنی نے جو سبز باغ ترکوں کو دکھلائے تھے ان کی اصلیت ان پر ظاہر ہو چکی تھی۔ جرمنوں کے خلاف ایک ہیجان شروع ہو چکا تھا اور لوگوں نے حکومت کے خلاف آوازے کسنے شروع کر دئے تھے۔

حکومت دن بدن بدنام ہو رہی تھی۔ اس کے انقلاب کے لئے انقلابی پارٹیاں پھر از سر نو بن گئیں۔ میجر یعقوب جمال نے حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے ایک انجمن یا خفیہ پارٹی قائم کر لی تھی۔ سازش پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی کہ پارٹی کے ایک ممبر نے حکومت کو سازش کی اطلاع دے دی۔

یعقوب جمال پاشا اور ان کے رفقا گرفتار کر لئے گئے اور ان کو جرم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مصطفے کمال کوہ کاف کے علاقہ میں تھے۔ ایک شخص ڈاکٹر حلمی جو یعقوب جمال کی پارٹی کے سرگرم رکن تھے قید خانہ سے بھاگ کر کوہ کاف جا پہنچے حکومت نے ان کی گرفتاری کے لیے مصطفے کمال کو تار دیا۔ انھوں نے بذریعہ تار جواب دیا ڈاکٹر حلمی بے میری حفاظت میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد حکومت چپ ہو رہی اور ڈاکٹر حلمی کی گرفتاری کا مزید مطالبہ نہ کیا گیا۔

اس واقعہ کے متعلق انہوں نے حلمی بے کو کہا اگر سازش پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی اور مجھے انور پاشا کی اسامی پیش کی جاتی تو تمہیں معلوم ہے میں کیا کرتا؟ میں اسامی کو قبول کر لیتا مگر سب سے پہلا کام جو کرتا وہ تمہیں پھانسی دینے کا حکم دیتا۔

اس اثنا میں ارض روم حکومت کے قبضہ و اقتدار سے جاتا رہا۔ ممکن تھا کہ کچھ وقت حکومت اس خبر کو صیغہ راز میں رکھتی مگر بغداد کی فتح نے ستم ڈھا دیا۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں حلیفوں کا یہ قیمتی شہر ترکوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ لوگوں میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور ان کو احساس ہوا کہ حکومت انہیں دھوکہ دے رہی ہے۔ اور ان کے زخموں پر محض تجاہل عارفانہ کے لئے نمک پاشی کی جا رہی ہے۔ حکومت نے لوگوں کے کہرام سے متاثر ہو کر انور پاشا کو قربانی کا بکرا بنانے کی ٹھان لی۔ مصمم ارادہ تھا کہ کسی شخص کو ان کی جگہ تعین کیا جاوے جمال اس اسامی کے لئے موزوں نہ تھے۔ مارشل عزت پا

اعلیٰ درجہ کے جرنیل تھے مگر بحیثیت مدبر بالکل ناکام تھے۔ کمال پاشا کو حکومت مقرر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ حکومت سمجھتی تھی کہ اگر اس نوجوان کا تقرر کیا گیا تو وہ یقیناً انقلاب برپا کر دے گا۔ لوگوں کی اشک شوئی کی گئی کہ عنقریب بغداد پھر فتح کر لیا جاوے گا اور عوام کو یہ طفل تسلیاں دے کر ٹالا گیا۔ انور پاشا مدد کے لئے جرمن ہیڈ کوارٹر کو سدھارے۔ بغداد کی فتح بغیر جرمنی کی مدد کے ناممکن تھی جرمنی نے جرنیل خاکنہان کو ایک سپاہ کثیر کے ساتھ انور پاشا کے ساتھ روانہ کیا

اس سپاہ کو ''یلدرم'' کے نام سے جس کے معنی بجلی کے ہیں منسوب کیا گیا۔ مصطفےٰ کمال کو راضی کر کے اس کی کمانڈ سپرد کی گئی۔ انہیں جرنیل کی اسامی پہ مقرر کیا گیا اور حلب بھیجا گیا۔ وہاں سے ان کے نام حکم پہنچا کہ وہ بغداد پر فوج کشی کریں۔ جرنیل خان خاکنہان سے ان کا اختلاف رائے بڑھنے لگا۔ وہ جرنیل موصوف کی قابلیت سے چنداں متاثر نہ ہوئے تھے جرنیل مذکور کو معلوم نہ تھا کہ وہ کس قابلیت کا انسان ہے۔ مصطفےٰ کمال نے بغداد پر حملہ کرنے کی تجاویز پر غور کیا۔ نقشے بنائے بحثیں کیں وہ باوجود عمدہ جرنیل ہونے کے بغداد کو از سر نو فتح کرنے کی تجاویز سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس لئے کمال نے اس مہم کو اپنے ہاتھ میں لے کر کلنک کا ٹیکا لگانے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کی منتیں کی گئیں مگر وہ رضامند نہ ہوئے اور آخر سات ماہ کی رخصت صحت کی خرابی کی بنا پر لینے میں کامیاب ہو گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حلب میں کرنیل ای ٹی لارنس نے کمال پاشا کو گرفتار کر لیا کرنیل لارنس ان کے بہت مداح تھے تمام رات ان کی باتوں میں گذر گئی

کرنیل لارنس ان کی باتوں میں ایسے مبہوت ہوئے کہ اسی کے وقت مصطفے کمال صاف قید سے نکل کر اپنے لشکر میں جا ملے اور کرنیل لارنس کو خبر تک نہ ہوئی ۔

حلب سے وہ جلد قسطنطنیہ روانہ نہ ہوسکے ۔ ان کے پاس روپیہ کی قلت تھی ۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے اپنے دس نادر عربی گھوڑوں کو فروخت کر دینے کا فیصلہ کر دیا ۔ ممکن تھا کہ کوئی غیر معروف شخص ان گھوڑوں کو خرید لیتا اور پھر کبھی ان کا پتہ نہ چلتا ۔ جمال پاشا نے پیش قدمی کر کے ان کی امداد کی اور فوراً دو ہزار پونڈ پیش کر دئے ۔ جب وہ قسطنطنیہ پہنچ گئے تو مزید تین ہزار پونڈ کی رقم ان کی امداد کے لئے ارسال کی ۔ یہ رقم مصطفے کمال کی بغاوت کے زمانے میں ازحد کارآمد ثابت ہوئی ۔

مصطفے کمال کی قسطنطنیہ کی اقامت کے ایک ماہ بعد حکومت نے ان کی منت سماجت کی کہ وہ ولی عہد شہزادہ وحید الدین کے ہمراہ ویسٹرن فرنٹ جائیں ۔ انہوں نے اسے منظور کر لیا ۔ جرنیل نفسی پاشا کو بھی ولی عہد کے ہمراہ جانا تھا ۔ مصطفے کمال لکھتے ہیں " نفسی پاشا اور میں شہزادہ مذکور کے تعارف کے لئے محل میں طلب کئے گئے ۔ ایک اعلیٰ کمرہ میں بہت سے ترک فراک کوٹ زیب بدن کئے کھڑے تھے ۔ ایک اور شخص داخل ہوا ۔ ہم اسے پہچان نہ سکے مگر جب دوسروں نے کورنش بجا لائی تو ہمیں بتلایا گیا کہ وہ ولی عہد شہزادہ وحید الدین ہیں ۔ وہ ایک کونے میں ایک صوفہ پر بیٹھ گئے ہمیں بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا ۔ ہم آداب بجالائے شہزادہ موصوف نے بیٹھتے ہی آنکھیں میچ لیں اور ایک دیر تک ایسی حالت میں

رہے۔ اور پھر کہا۔

"میں آپ لوگوں سے مل کر از حد خوش ہوا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے پھر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ وہ گہری سوچ میں ہیں تقریباً پون گھنٹہ کے بعد انہوں نے پھر اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہم اکٹھے عازم سفر ہو رہے ہیں"

اس کے بعد ملاقات ختم ہو گئی۔ رسی پاشا نے راستے میں واپسی پر مجھ سے کہا "ایسے شخص سے ہم کو کیا توقع ہو سکتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کل ہی بادشاہ بن جائے"۔

مجھے خود افسوس ہوا اور ایک عرصہ تک میں مبہوت رہا"

شہزادہ وحید الدین کا سن اس وقت پچاس اور ساٹھ کے درمیان تھا۔ وہ سلطان عبد الحمید کے چھوٹے بھائی تھے اور اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ وہ دبلے اور لانبے تھے۔ وہ قسطنطنیہ سے اپنی تمام عمر بھر میں ایک دفعہ باہر گئے تھے۔ ان کی تمام قوتوں اور ذہانت کا خاتمہ ہو چکا ہوا تھا۔ ان کی متعدد بیویاں تھیں۔ ان کی تربیت سلطان عبد الحمید کی زیر نگرانی ہوئی تھی۔ وہ بندوق اور تلوار کے استعمال میں بہت مشاق تھے۔ عبد الحمید وحید الدین پر خاص مہربانی فرماتے اور اکثر حکومت کے معاملات میں ان سے مشورہ لیتے۔ وہ سلطان عبد الحمید کی طرح خیال کرتے تھے کہ ٹرکی کی حکومت کی بقا سلطان کے دم سے ہے اور زیادہ تعلیم خطرناک اور فضول ہے۔

ان کے اکثر رفقا اور ساتھی اسی قسم کے خیالات کے لوگ تھے داماد فرید پاشا ان کے عزیز دوستوں میں سے تھے اور موخر الذکر کا اثر شہزادہ پر بہت زیادہ تھا۔ وحید الدین نے تاج پہنتے ہی انہیں اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔

آخر مجوزہ سفر شروع ہوا۔ وہ دردہ دانیال کی داستانیں سن سن کر متحیر ہوتے۔ انہیں سخت حیرت ہوئی کہ اس تیس سالہ نوجوان نے یہ یہ تجربے کر دکھائے۔

شہزادہ وحید الدین کو معلوم تھا کہ مصطفےٰ کمال کی رائے انور اور اس کے رفقا کے متعلق اچھی نہیں ہے۔ اس لئے وہ انور پاشا کا ذکر کرنے سے احتراز کرتے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عوام فاتح الغفنرا کو ستائش کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ شہزادہ وحید الدین کو اس امر کا احساس تھا کہ مصطفےٰ کمال ان کی تخت نشینی کے معاملے میں اگر کوئی جھگڑا ہوا تو مدد کریں گے۔ شہزادہ مذکور ہمیشہ اس نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کمال پاشا سے گفتگو کرتے۔

دوسری طرف مصطفےٰ کمال ہمیشہ ملک کی مظلومی کی حالت گوش گذار کرتے رہتے۔ وہ لوگوں کے مصائب بیان کر کے روتے اور شہزادہ کی طبیعت کا رجحان لوگوں کی طرف مبذول کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔

دوران سفر میں ایک دفعہ مصطفےٰ کمال نے عزتی پاشا سے شہزادہ موصوف کے متعلق کہا "وہ فطرت کے بُرے نہیں ہیں اور اگر ان کی اصلاح ہو جائے اور انہیں عمدہ رفیق مل جاویں تو وہ عمدہ سلطان ثابت ہو سکتے ہیں"۔

کسے معلوم تھا کہ مستقبل میں یہ دونوں شخص ایک دوسرے کے

جانی دشمن ہوں گے۔ ایک اپنی ہوس برقرار رکھنے کے لئے ملک کو کوڑیوں کے مول بیچنے پر تیار ہو جائے گا اور دوسرا آزادی کے لئے اپنی جان نثار کرنے پر مستعد نظر آئے گا۔

وہ جرمن ہیڈکوارٹر میں اس وقت پہنچے جب وہاں عظیم حملہ کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔ جرمنوں نے شہزادہ وحید الدین کو یقین دلایا کہ حلیفوں کی حالت از حد عمدہ ہے اور فتح یقینی ہے۔ کمال پاشا موم کی ناک نہ تھے کہ مرضی کے مطابق مروڑ لئے جاتے۔

مصطفٰے کمال کا تعارف قیصر ہینڈن برگ لنڈر آف اور دیگر مشہور و معروف جرنیلوں سے کرایا گیا۔ ان سب نے ایک ہی نظر میں بھانپ لیا کہ مصطفٰی کس دل و دماغ کا انسان ہے۔ کمال نے بغیر خوف و خطر اپنی رائے کا اظہار کیا اور کہا کہ متعدد محاذ قائم کرنا سراسر غلطی ہے اور اگر ان سب کو چھوڑ کر صرف ایک محاذ پر زور نہ ڈالا گیا تو انجام بخیر نہ ہو گا۔ جب مصطفٰی کمال کو قیصر ولیم کے روبرو پیش کیا گیا تو انہوں نے از روئے استعجاب دریافت کیا۔ کیا آپ وہی مصطفٰے کمال پاشا ہیں جنہوں نے آری برن اور انفقرا پر عظیم الشان فتح حاصل کی تھی۔ آپ نے آنکھیں نیچی کر کے فرمایا "ہاں میری ہی قسمت میں اس فتح کی سرفرازی لکھی تھی"۔

اثنائے ملاقات میں ہینڈن برگ نے ترکوں کے خلاف شکایت کی کہ وہ ارمنیوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔ آپ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا۔ کیا آپ بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں جو ارمنیوں

نے ہمارے خلاف جاری کر رکھا ہے۔ انہوں نے واقعات کی اس طور پر تردید کی کہ ہینڈن برگ قائل ہو گئے اور معذرت چاہی۔ انہوں نے کہا مجھے افسوس ہے کہ غلط واقعات مجھ تک پہنچائے گئے تھے"

جب جرنیل لینڈراف ویسٹرن فرنٹ کی پوزیشن مصطفےٰ کمال کو سمجھا رہے تھے۔ تو انہوں نے اس کے متعلق جرح شروع کر دی لینڈراف گھبرا گئے اور ان کی تشفی نہ کر سکے۔ ایک رات کھانے پر انہوں نے جرنیل فان ہینڈن برگ سے استفسار کیا:۔

"مارشل" کیا آپ مجھے ازراہ مہربانی بتلا سکتے ہیں کہ اس حملہ سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟"

مارشل مذکور نے سوال کو ٹال دیا اور موضوع کو بدل دیا اور فوراً کہنے لگے "یور اکسلنسی کمال پاشا سگریٹ پسند فرماویں گے یا سگار" پھر مجھے ایک سگریٹ پیش کر کے اپنے ہاتھ سے آگ سلگا دی اور گفتگو کا خاتمہ ہو گیا"

ہیڈ کوارٹرز میں جب قیصر ولیم شہزادہ وحید الدین کی ملاقات کے لئے ان کے کیمپ میں تشریف لائے تو شہزادہ مذکور نے عزیز پاشا کی وساطت سے کہا "شاید حضور کو معلوم ہے کہ ہم ترکوں نے حضور والا کا ساتھ حضور کی خوشنودی اور اپنی بہتری کے لئے دیا تھا۔ آج ترکوں کے علاقے دن بدن کم ہو رہے ہیں۔ ہماری حالت امید افزا نہیں ہے اور ہمیں اس سے بہت تشویش ہو رہی ہے"۔

قیصر ولیم پیچ و تاب کھا کر کھڑے ہو گئے اور کہا مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کی صحبت میں کچھ اشخاص ہیں جو ہماری طرف سے حضور کے دل میں شبہات ڈال رہے ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہماری حالت نہایت عمدہ ہے اور عنقریب ہمیں وہ فتح حاصل ہوگی جس کی مثال دنیا میں مفقود رہیگی"

قیصر ولیم شہزادہ اور ندسی پاشا سے مصافحہ کر کے چل دئے۔ ایک طرف مصطفی کمال کھڑے تھے۔ انہوں نے ان سے ہاتھ نہ ملایا چند قدم جا کر قیصر پھر واپس آئے اور کہا جرنیل مجھے معاف کرنا مجھے آپ سے مصافحہ کرنا بھول گیا تھا۔ پھر نہایت زور سے مصطفی کمال کا ہاتھ دبایا اور رخصت ہو گئے۔

شہزادہ وحید الدین کو میدان کارزار کے ملاحظہ کے لئے لے گئے۔ مصطفی کمال نے نقشہ کو دیکھ کر چار مقامات کو معائنہ کے لئے ٹھان لی۔ انہوں نے ایک درخت پر چڑھ کر حالت کا اندازہ لگایا اور اپنے تئیں کہنے لگے:۔

"حالات امید افزا نہیں ہیں۔ جرمن ہماری آنکھوں میں دھول ڈال رہے ہیں اور مجھے یقین واثق ہے کہ جنگ زیادہ عرصہ تک برپا نہ رہ سکیگی۔ الغرض اس سفر کا خوش گوار نتیجہ جس کی توقع کی جاتی تھی نہ نکلا۔ انور پاشا نے کمال کو اس زاویہ نگاہ سے وہاں بھیجا تھا کہ وہ جرمنی ترتیب و تنظیم سے متاثر ہوں گے مگر برعکس اس کے کمال نے صاف صاف کہہ دیا کہ ترکوں نے غلط گھوڑے پر بازی لگائی ہے۔ وحید الدین پر ان کے بہنوئی داماد فرید پاشا کا بہت اثر تھا اور اس لئے وہ انگلستان کی دوستی کے بہت خواہاں تھے۔ واپسی پر شہزادہ وحید الدین نے خواہش ظاہر کی کہ وہ کمال پاشا کو اپنا سیکرٹری بنانا

چاہتے ہیں۔ مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔
قسطنطنیہ پہنچ کر مصطفٰی کمال کو درد گردہ کا دورہ ہوا وہ علاج کے لئے وائنا چلے گئے وہاں سے ان کے طبیب نے انہیں کارلس باڈ جانے کا مشورہ دیا وہ ابھی وہیں مقیم تھے کہ انہوں نے تین جولائی ۱۹۱۸ء کو سلطان محمد خامس کے انتقال اور شہزادہ وحید الدین کی تخت نشینی کی خبر سنی۔ انہیں مزید اطلاع ملی کہ انور پاشا چیف آف دی جنرل سٹاف مقرر کئے گئے ہیں اور ان کی جگہ مارشل عزت پاشا کا تقرر کیا گیا ہے ان کو امید بندھ گئی کہ حالات امید افزا ہو جائیں گے۔
ان کے ایک دوست نے انہیں قسطنطنیہ سے تار دیا کہ وہ فوراً واپس پہنچ جاویں۔ واپسی پر انہیں وائنا میں انفلوئنزا ہو گیا اور دیر تک انہیں وہاں قیام کرنا پڑا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ قسطنطنیہ پہنچ گئے۔
مصطفٰے کمال کا خیال تھا کہ انہیں عزت پاشا کے ایما سے طلب کیا گیا ہے۔ مگر جب وہ عزت پاشا سے ملے تو انہوں نے آں غاں کر کے باتوں میں ٹال دیا۔ البتہ عزت پاشا نے کہا کہ شہزادہ وحید الدین اور آپ کے درمیان اچھے تعلقات رہے ہیں۔ اب وہ سلطان ہیں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ آپ کو ان سے ملاقات کرنی چاہیئے۔
عزت پاشا کی وساطت سے سلطان المعظم اور کمال پاشا کی ملاقات کا وقت تعین کیا گیا۔ باب عالی نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ ان کی مبارکباد کا شکریہ ادا کیا اور ان کو سگرٹ پیش کیا۔

مصطفیٰ کمال نے نہایت احترام سے کہا باب عالی کیا مجھے اجازت ہے کہ میں بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار حضور والا میں کروں؟

بادشاہ متبسم ہوئے اور کہا پاشا یقیناً میں آپ سے ایسی ہی توقع رکھتا ہوں"

کمال پاشا نے نہایت وضاحت اور فصاحت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا "حضور ملک کو بچانا آپ کا فرض اولین ہے اور آپ کے لئے ضروری ہے کہ سرکار کا پورا قبضہ و اقتدار ملکی فوج پر ہو جناب کو چاہیئے کہ حضور کا تعلق فوج سے بلاواسطہ ہو اور حضور مرحمت خسروانہ سے مجھے چیف آف دی جنرل سٹاف مقرر کر دیں"۔

سلطان وحید الدین نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کچھ وقفہ کے بعد استصواب کیا۔

"کیا آپ کی اس رائے کے کوئی اور جرنیل بھی فوج میں ہیں؟

کمال پاشا نے جواب دیا "یقیناً"

"اچھا ہم اس پر غور کریں گے"۔

ملاقات ختم ہو گئی۔ اگلے دن عزت پاشا نے انہیں ملاقات کے لئے طلب فرمایا مگر کوئی اہم نتیجہ ملاقات سے نہ نکلا۔

سلطان وحید الدین کو قطعی طور پر مصطفیٰ کمال کی تجاویز سے اختلاف تھا۔ کمال پاشا کیبنٹ کے سخت مخالف تھے اور بادشاہ کمال کی تجاویز پر عمل پیرا ہونا اپنے لئے سخت ناممکن العمل خیال کرتے تھے۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا نے باب عالی سے پھر شرف ملاقات چاہی اور

مزید عرض کیا کہ حضور مجھے بغیر تحلیہ میں بخشیں۔ ان کی درخواست منظور کی گئی۔ وہ باب عالی کے حضور میں حاضر ہوئے۔ مصطفیٰ کمال فرط جوش سے کانپ رہے تھے۔ اور کہتے تھے "حضور ملک تباہ ہو جائے گا۔ اتحادی اس پر قبضہ کر لیں گے۔ خلیفوں میں سے سب سے بڑی حالت ہماری ہو گی"۔

آخر خلیفۃ المسلمین نے کہا ہم نے "ہز ایکسیلنسی" طلعت اور انور پاشا سے گفتگو کر کے تمام انتظامات مکمل کر دئے ہیں اس لئے آپ کو کوئی تشویش نہ ہونی چاہیئے۔ کمال پاشا مایوس ہو کر معاملہ کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور رخصت چاہی۔ باہر نکلے تو وہ انتہائی مایوسی کی حالت میں تھے دروازہ پر انہیں ندسی پاشا سلطان المعظم کے سیکریٹری ملے۔ کمال پاشا کے بشرہ سے پریشانی ٹپکتی تھی۔

مصطفیٰ کمال اس دفعہ شرف باریابی کے بعد تاڑ گئے کہ ان کی تمام امیدیں جو سلطان المعظم سے وابستہ تھیں موہوم تھیں۔ اگر کوئی امید کی کرن ہے تو وہ سلطان المعظم کی مخالفت میں ہے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو تاہم وہ ملک کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس احساس کے آتے ہی انہوں نے کمر ہمت باندھ لی اور مخفی طور پر ہر ممکن سعی میں مصروف کار ہو گئے۔ وہ ہر جمعہ کو باقاعدہ طور پر مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جاتے اور نماز کے قبل نہایت احترام سے بادشاہ سلامت کی پیشوائی کے لئے حاضر رہتے۔ ایک دن جمعہ کے بعد امیر المومنین نے کمال پاشا کو حضور میں طلب فرمایا۔ انور اور طلعت وہاں موجود تھے۔ حضور نہایت تنفقت

اور عزت سے پیش آئے اور شام کی کمانڈ ان کے سپرد فرمائی۔

جب کمال پاشا باہر آئے تو انور وہاں کھڑے تھے۔ کمال نے کہا "پیارے انور تم نے خوب بدلہ لیا ہے۔ میں تمہاری خداداد قابلیت کا معترف ہوں تم نے مجھے ان افواج کی کمانڈ دلوائی ہے جو فوجیں محض کاغذوں ہی میں ہیں اور درحقیقت ان افواج کا نام ونشان بھی نہیں۔ میں تمہاری کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آخر تم نے مجھ سے بدلہ لے ہی لیا ہے"

یہ انور اور کمال کی آخری ملاقات تھی اور اس کے بعد دونوں کبھی نہ ملے۔ شام کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بغداد کو ازسرنو فتح کرنے کی تجاویز ناقابل عمل سمجھ کر چھوڑ دی گئیں تھیں۔ انگریز ایک نہایت جری اور مضبوط فوج کے ساتھ مصر سے یروشلم اور بیت المقدس پر بڑھ رہے تھے جرنیل فان فاکنان واپس بلائے گئے تھے اور ان کی جگہ جرنیل فان سانڈرس کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا۔ جرنیل فان سانڈرس کو شکست پر شکست ہوئی۔ ان کی فوجیں بھاگ گئیں اور جو باقی رہیں وہ انگریزوں نے گرفتار کرلیں پندرہ اگست ۱۹۱۸ء کو مصطفے کمال بیت المقدس پہنچے۔ فوجوں کا معائنہ کیا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ فوجوں کی حالت اس قدر ردی ہوگی۔ انہوں نے حالات کا اندازہ لگایا۔ اور اس نتیجہ پر فوراً پہنچ گئے کہ آنے والی بلا کسی طور پر ٹلنے کی نہیں۔ تاہم انہوں نے کمر ہمت باندھی مگر انیس ستمبر ۱۹۱۸ء کو انگریزوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ترکوں کا تمام زور ٹوٹ گیا۔ ایک طرف سے انگریزوں نے زور ڈالا دوسری طرف سے عربوں نے تعاقب کیا اور

ترک بالکل پسپا ہو کر پس گئے ۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور دو سو پچاس میل کے فاصلہ پر حلب کے شمال میں جا کر دم لیا۔

جنرل مصطفےٰ کمال پاشا نے حلب پہنچ کر پھر فوجوں کو ترتیب دی ان کو دائیں بائیں متعین کر کے انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ مگر ایک رات انگریزوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ ترکی فوجیں منتشر ہو گئیں جنرل مصطفےٰ کمال کو بذات خود بطور ایک سپاہی کی طرح حلب کی گلیوں میں لڑنا پڑا ۔ یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی مگر حلب کے جنوب کی طرف ایک سپاہیوں کی لائن ترتیب دینے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے فوجوں کو حکم دیا کہ اس لائن سے آگے قطعی طور پر انگریز نہیں بڑھنے پائیں گے اتفاق کہیے یا قوت ارادہ کہ اس لائن سے آگے اتحادی باوجودیکہ انہوں نے تمام زور ڈالا آگے نہ نکل سکے ۔ وہ لائن جو مصطفےٰ کمال نے اس وقت قائم کی تھی آج ماڈرن ٹرکی کی حد ہے۔
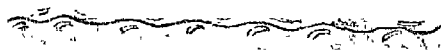
باب چہارم

ہر کجا راہ دہد اسپ بداں تازہ کہ ما
بارہا باختہ دریں عرصہ تبدیر شدیم

کسی نے خوب کہا ہے کہ مصیبت کبھی اکیلی نہیں آتی۔ شام کی شکست کے ساتھ ہی مقدونیہ میں انقلاب برپا ہو گیا۔ بلگیریا میں فساد پیدا ہوا اور بادشاہ فرڈی نینڈ معزول کئے گئے اس لئے اتحادیوں کے واسطے قسطنطنیہ کی سڑک اب صاف تھی۔ اتحادیوں کے سپہ سالار جنرل فرانچ ڈی اسپری اس نظریہ سے مقدونیہ میں فوجوں کو ترتیب دے رہے تھے کہ وہ قسطنطنیہ پر قبضہ جمالیں۔ انگریزی بیڑہ جو کہ بحیرہ ایجین میں لنگر ڈالے تھے اس نقطہ نگاہ سے ہمہ تن تیاری میں مصروف تھا۔ وہ وقت آگیا تھا۔ جب کہ عیسائی بازنطائیم میں بطور فاتح داخل ہونے والے تھے۔

باہمت انور پاشا کی ہمت اب ویسی ہی تھی۔ وہ ان واقعات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے فوجوں کو اکٹھا کر کے ایک دفعہ پھر قسمت آزمائی کی ٹھان لی۔ وہ بجلی کی طرح دارالسلطنت کی طرف گئے اور اتحادیوں کی مزاحمت کے لئے جو تھریس اور سٹالیہ کے راستے قسطنطنیہ کی طرف آ رہے تھے ڈٹ گئے۔ وہ دعائیں مانگتے تھے کہ ۱۹۱۸ء کی

طرح یہ بھی مصیبت ٹل جائے مگر تقدیر اُلٹی تھی۔ ان کے اپنے رفقا اور عزیزوں نے ان کی خوب مخالفت کی اور ان کی آواز پر لبیک کہنے سے صاف اور قطعی طور پر انکار کر دیا۔

یہ وہ وقت تھا جب مصطفےٰ کمال حلب میں انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے برملا کہہ دیا کہ حلیفوں کا اب کوئی ٹھکانا نہیں اور ترکی کا گلا نہایت بے رحمی سے گھونٹا جائے گا۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے پیارے ملک کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اور اپنی جان تک نثار کر دیں گے۔ انہوں نے باب عالی کو تار دیا کہ پرانی وزارت توڑ دی جائے۔ وقت سخت نازک ہے مصیبتوں کے کالے بادل منڈلا رہے ہیں عزت پاشا کے سپرد قلمدان وزارت کیا جائے اور اس خاکسار کو وزیر حرب بنایا جائے۔ علاوہ بریں انہوں نے متعدد محبان وطن کے نام سلطان المعظم کی بارگاہ میں بھیجے کہ انہیں وزارت میں شامل کیا جائے تاکہ ترکی کو اس ناگہانی بلا سے بچانے کی ہر ممکن اور آخری کوشش کی جائے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مصطفےٰ کمال کو اطلاع ملی کہ باب عالی نے عزت پاشا کو وزیر اعظم مقرر کر دیا ہے۔ ان کے پرانے عزیز دوست فتحی بے جو صوفیا میں سفیر تھے وزارت میں شامل کئے گئے ہیں عزت پاشا وزیر اعظم نے مصطفےٰ کمال کو تار دیا کہ "خدا نے چاہا تو ہم دونوں ترکی کی ناموس بچانے میں کامیاب ہوں گے"۔ بجائے اس کے کہ مصطفےٰ کمال کو وزیر حرب مقرر کیا جاتا انہیں شمالی شام کی فوجوں کی کمانڈ سپرد کی گئی جو مارشل لطان خان ساندرس

کی زیر نگرانی تھی۔ مصطفےٰ کمال اڈنا کی طرف بڑھے جو کہ ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر واقع ہے اور وہاں ایک مختصر معمولی ہوٹل میں مارشل لمان فان نے مصطفےٰ کمال کو فوج کی کمان کا چارج سپرد کیا۔ رخصت کے وقت جرمن مارشل آبدیدہ ہوئے اور کہا "میرے قلب حزیں کو صرف ایک تسکین ہے۔ کہ میں آپ کو اپنا جانشین چھوڑ رہا ہوں مصطفےٰ کمال وہ دن دور نہیں جب تمام دنیا دوزانو ہو کر آپ کی عظمت کا اعتراف کرے گی اور دنیا کے بادشاہ عقیدت کے پھول نچھاور کرنا باعث فخر اور عزت سمجھیں گے"۔

وزیر اعظم نے کوشش کی کہ اتحادیوں کے ساتھ ترکی کی علیحدہ صلح ہو جائے اور اس کام کے لئے جرنیل ٹاؤن شینڈ کی وساطت سے گفت شنید شروع ہوئی مگر کچھ عرصہ کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ فرانسیسی فوجیں تھریس سے گذر کر ایڈریانوپل پہنچ چکی تھیں اور قریب تھا کہ وہ قسطنطنیہ پہنچ جائیں مگر دول یورپ کی سلطنتوں کی شطرنجی چالیں اسے بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھیں۔

آخر تیس اکتوبر ۱۹۱۸ء کو قطعی طور پر فیصلہ ہو گیا کہ عارضی صلح ہو جائے گی اور صلح کی شرائط کے لئے بحث و تمحیص کی جائے گی۔ ترکی کے لئے صلح کی جھلک چنداں فائدہ مند نظر نہ آتی تھی۔ ترکی کے مقبوضات کی امید کی نسبت کچھ ذکر نہ تھا۔ البتہ شرطوں میں یہ ضرور تھا کہ ترکی اپنی فوجوں کو جلد سے جلد منتشر کر دے۔

بقول کونٹ سفرزا[1] یہ انگلستان کی پالیسی تھی کہ شرائط کو وضاحت کے ساتھ ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ اس کا ارادہ تھا کہ قسطنطنیہ اور اس کا ملحقہ علاقہ اس کے قبضہ میں آجائے۔

صلح کی شرطوں کے مطابق فوجیں توڑ دی گئیں اس لئے غازی مصطفی کمال بھی اپنی اسامی سے فارغ ہو کر شام سے قسطنطنیہ واپس آگئے ان کا وہ شاندار استقبال کیا گیا کہ ٹرکی کی تاریخ ایسی دوسری نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مسجدوں اور سرکاری عمارتوں کے اوپر جھنڈے لہرا رہے تھے۔ سونے کے ہلال گھروں کے اوپر آویزاں تھے۔ جھنڈیوں اور دروازوں سے شہر دلہن بنا ہوا تھا۔ دوسری طرف سمندر میں اتحادیوں کا جنگی بیڑا کھڑا تھا۔ اور اتحادی افسر سرگوشیاں کر رہے تھے کہ یہ استقبال ٹرکی کی عظمت کا آخری منظر ہے۔

چند ہی دنوں کے بعد اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ شہر کی شان و شوکت جاتی رہی۔ وہ لوگ جنہوں نے قبضہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی تختہ دار پر لٹکا دئے گئے۔ سینکڑوں گرفتاریاں نہر روز عمل میں لائی جاتیں۔ بے شمار آدمیوں کو مفسد قرار دے کر بید لگوائے جاتے

---

[1] کونٹ سفرزا۔ اٹلی کے وزیر خارجہ تھے۔ انہوں نے ایک مضمون کنٹمپریری ریو ڈسمبر ۱۹۲۷ء میں لکھا ہے کہ ہمیں ترکوں کے مقابلے میں کیوں شکست ہوئی جس میں وہ رقمطراز ہیں کہ یہ محض آپس کی رقابت کی وجہ سے تھا۔

خوف اور خطرہ سے لوگ گھروں میں بیٹھ گئے۔ بازار اجڑ گئے اور دوپہر کے وقت جہاں کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ وہ ہزاروں سالوں کی ایک اجڑی ہوئی بستی ہے۔ مسجدوں کے حوض خشک ہو گئے نمازی عنقا تھے۔ سر شام ہی لوگ گھروں کی روشنی بجھا دیتے اور کواڑ بند کرکے چھپ رہتے۔ رعب قائم کرنے کے لئے ترکی ٹوپی کا استعمال جرم قرار دیا گیا بازاروں اور گلیوں میں اتحادی فوجیں چکر لگاتی تھیں۔ ایک فرانسیسی مورخ کا مقولہ ہے کہ فاتحوں سے نظریں ملانا گناہ عظیم ہے اس لئے ہر اس متنفس کو جس پر کسی قسم کا شبہ ہوتا گرفتار کرکے زندان میں بند کر دیا جاتا تھا۔

یونانی خوش تھے کہ اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ محض ان کی خاطر کیا ہے اور عنقریب تمام علاقہ ان کے حوالے کیا جائیگا۔ یوروپ کے صدیوں کے خواب پورے ہوئے اور ہلال کی جگہ صلیب جلوہ افروز ہوئی۔ یونان کا مشہور سیاستکار مسٹر وینزلاس خوشی سے اپنے "چار آقایانِ نامدار" کا دل بہلاتا۔ ذلیل چالوں سے ان کا دل خوش کرتا اور سعدی کے مشہور شعر سے

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

پر عمل کرنا اپنا ایمان سمجھتا۔ قسطنطنیہ کے گلی کوچوں میں اطالوی اور فرانسیسی اس طور پر اکڑ اکڑ کر گھومتے گویا کہ ان سے قبل دنیا میں کوئی فاتح کسی شہر میں داخل ہی نہیں ہوا۔ ارمینی جنہوں نے ترکوں کے خلاف آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا ولسن کی طرف اس طور پر نظریں لگائے بیٹھے تھے گویا کہ وہ راستی

پاکبازی اور شرافت کا پیغمبر ہے۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ ایشائے کوچک میں
ارمنیوں کی ایک بڑی سلطنت قائم کر دی جائے گی۔ کردوں کو ابھارا گیا۔ کہ
ان کی بقائے کے لئے ان کی اپنی سلطنت ازبس ضروری ہے۔ برعکس اس
کے ترکوں کی اپنی حالت نہایت زبون تھی۔ اتحادیوں کا فیصلہ تھا کہ ترک
بچوں کی تعلیم کا انتظام اتحادیوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ ان کی آبادی ایک
حد سے متجاوز نہ کرنے پائے گی۔ ان کی فوجیں آٹھ سال کی متواتر جنگ
سے وبا۔ قحط اور لڑائی کا شکار ہو چکی تھیں اور باقی ماندہ کو حکم تھا کہ انہیں
اپنے اپنے گھر بھیج دیا جائے گا۔ دمشق۔ یروشلم۔ بغداد۔ بصرہ۔ موصل اور
حلب ایسے زرخیز ملک ترکوں کے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ عرب میں علیحدہ
سلطنت قائم کی گئی تھی۔ ایشا کوچک میں ارمینی سلطنت قائم کرنے کا فیصلہ
ہو چکا تھا۔ درہ دانیال کے قلعے مسمار کئے جانے کا مسئلہ طے پا چکا تھا۔ مصر
کی مکمل علیحدگی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ قسطنطنیہ اور اس کے ملحقہ علاقہ پر
اتحادیوں کا قبضہ تھا۔ تھریس اور سمرنا یونان کے حوالے کیا جائے گا۔ ترک
اس قابل نہیں کہ یوروپ میں رہنے پائیں مسجد ایا صوفیہ کو گرجا کی صورت
میں بدلا جائے گا اور باقی ماندہ علاقہ جو ترکوں کے قبضہ میں رہے۔ امریکہ
کے زیر اثر ہوگا۔

ترکوں کے دل کی کیفیت کا اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ یوروپ
دیر سے "بیمار یوروپ" کا شور مچا رہا تھا۔ اور اب اس بیمار کا گلا
بُری طرح سے گھونٹ دیا گیا تھا۔ یہ تھی ملک کی حالت جب مصطفیٰ کمال

قسطنطنیہ پہنچے۔ خلیفۃ المسلمین اتحادیوں کے قبضہ و اقتدار میں تھے۔ اور ان کی خوشنودی مزاج اپنے ایمان کی ایک بہت بڑی شق سمجھتے تھے۔ ان کو کٹ پتلی کی طرح نچایا جاتا تھا اور ان کی حالت بالکل ابوظفر بہادر شاہ کی سی تھی۔ سلطان المعظم کے حکم سے سینکڑوں مدبروں۔ وزیروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو جن میں ذرا بھی حب الوطنی کا جذبہ ظاہر ہوا جلاوطن کر کے مالٹا بھیجا گیا۔ مارشل عزت پاشا مایوس ہو کر مستعفی ہو چکے تھے۔ کمال پاشا وزیر اعظم کے پاس گئے اور استعفا کی وجوہات دریافت کیں۔ مارشل عزت پاشا زار زار رونے لگے اور کہا "بھلا میں کس طرح طلعت۔ انور اور جمال کی گرفتاری کا حکم دے سکتا تھا۔ میں کیونکر غداری۔ بے ایمانی اور ضمیر فروشی کر کے اتحادیوں کا آلہ کار بن سکتا تھا۔"

مارشل عزت پاشا کی وزارت کے بعد توفیق پاشا وزیر اعظم بنائے گئے۔ توفیق پاشا اتحادیوں کے منظور نظر تھے اور لندن میں سفیر رہ چکے تھے۔

کمال پاشا نے فیصلہ کیا کہ آخری دفعہ پھر وہ قوم کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر دیکھیں۔ انہوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی ٹھان لی اور مارشل عزت پاشا کی منتیں کر کے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ پھر قلمدان وزارت سنبھالنے کے لئے رضامند ہو جائیں۔ پارلیمنٹ میں وزیر اعظم کے حق میں اعتماد کی تجویز پیش تھی۔ وہ تمام ممبروں کے گھر جاتے اور قرآن پر ان سے حلف لیتے کہ وہ اس تجویز کی مخالفت کریں گے۔ اس کے برعکس غیر اعتمادی وقت کی تحریک پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال

پارلیمنٹ کے باہر منتظر تھے اور ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ممبروں نے اتحادیوں کے نیزوں اور بندوقوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سلطان المعظم وحیدالدین کی خواہش کے مطابق توفیق پاشا وزیر اعظم کے حق میں اعتماد کا ووٹ نہایت اکثریت کے ساتھ پاس کر دیا ہے۔ مصطفےٰ کمال مایوسی کی حالت میں گھر پہنچے اور ان کو آخری تجویز پر عمل کرنے کی سوجھی۔ انہوں نے باب عالی کو شرف باریابی کے لئے ٹیلیفون کیا۔ جب حضور کو اس امر سے مطلع کیا گیا تو حضور ہنسے اور کہا "خوب! بیچھ والپس پہنچ گیا ہے۔ ہم بہت جلد اس کی تمام چالوں کو مات کر دیں گے"! شرف باریابی آئندہ جمعہ کے بعد قرار پایا اور حکم دیا گیا کہ نماز کے بعد مصطفےٰ ہماری ملاقات کے منتظر رہیں"۔

نماز کے بعد مصطفےٰ کمال حضور میں بلائے گئے۔ ایک گھنٹہ تک باتیں ہوتی رہیں۔ سرکار عالی بڑے غور سے مصطفےٰ کمال کے براہین و دلائل بغور سنتے رہے۔ اپنی طرف سے قطعی طور پر پسندیدگی یا ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔ جب مصطفےٰ باتیں ختم کر چکے تو حضور نے کہا۔

"مجھے خوب معلوم ہے کہ فوجوں کو آپ پر ازحد اعتماد ہے۔ کیا آپ مجھے یقین دلا سکتے ہیں کہ میری مجبوریوں کی وجہ سے میرے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی"

مصطفےٰ کمال نے بے جھجک کہا "اگر حضور پہلی باتوں سے تائب ہو کر ملک و ملت کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیمان باندھیں تو میں سرکار کو

یقین دلاتا ہوں کہ قوم حضور والا کی خدمات کا شکریہ ادا کرے گی اور حضور کا نام ابد الآباد تک روشن اور زندہ رہے گا"۔

حضور نے کہا "شکریہ کا سوال نہیں۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ قوم میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی"؟

مصطفےٰ کمال نے سرکار عالی کی ہمدردی حاصل کرنے کے نقطہ نگاہ سے کہا "حضور! قوم وہی کرے گی جو اس سے قبل قوموں نے اپنے محبوب بادشاہوں کے ساتھ کیا"

قوم کی متفقہ نگاہیں مصطفےٰ کمال کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ لوگ حیران تھے کہ یہ شخص دن رات قوم و ملت کا خیال دل میں لئے گھومتا رہتا ہے۔ تمام پارٹیز کا اس پر انحصار تھا۔ ہر متنفس اسے اپنا یار و مددگار سمجھتا۔ بادشاہ اگرچہ ظاہری طور پر اتحادیوں کے ڈر کی وجہ سے کسی رائے کا اظہار نہیں کرتے تھے مگر مصطفےٰ کمال کی ذات پر انہیں پورا اعتماد تھا"

انجمن اتحاد و ترقی کمال پاشا کی تمام کارروائیوں کو بنظر استحسان دیکھتی اور ملک کا اصلی معنوں میں نمایندہ اور خیر خواہ سمجھتی۔ کمیٹی سلطان کی ریشہ دوانیوں سے خوب واقف تھی۔ بڈھے توفیق پاشا شطرنج کے ایک پیادہ کی حقیقت رکھتے تھے۔ اس لئے ملک کے لئے از حد خطرناک تھے۔ کمیٹی نے سلطان وحیدالدین کا ایک خط جو فرانسیسی جرنیل کے نام تھا ڈاک خانہ سے اڑا لیا۔

اتحادی کمیٹی کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتے مگر مصلحتاً اسے خلاف قانون جماعت قرار دینے میں احتراز کرتے۔

مصطفےٰ کمال نے قسطنطنیہ کے مضافات میں بمقام سلسی ایک مکان کرایہ پر لیا ہُوا تھا۔ جس میں وہ مقیم تھے۔ وہ ہر روز کلب میں جاتے مگر کوئی شخص ان کے حرکات و سکنات کا پتہ نہیں چلا سکتا تھا مختلف پارٹیز کے رکن ان سے گفتگو کرتے اور ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ اس نے انہیں قائل کر کے اپنی طرف مائل کر لیا ہے۔

توفیق پاشا کی جگہ سلطان کے بہنوئی فرید پاشا وزیر اعظم مقرر کئے گئے جو اتحادیوں کے آستانہ پر ہر روز ناصیہ فرسائی کرنا اپنا فرض اولیں سمجھتے۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندوستانی مسلمانوں نے وزیر ہند کے پاس ایک وفد بھیجا کہ خلافت کے شیرازہ کو منتشر نہ کیا جاوے۔ روس تو صلح کے قبل ہی اتحادیوں کے زمرہ سے نکل چکا تھا۔ اس لئے مصطفےٰ کمال نے نہایت ضروری خیال کیا کہ انہیں گانٹھنے کی کوشش کی جاوے۔

امریکہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ لڑائی میں ظلم و تعدی کو دور کرنے کے لئے داخل ہُوا ہے۔ وہ غریب اور بے کس قوموں کی حفاظت کے لئے اس آگ میں کودا تھا۔ اس لئے امریکہ کے پریذیڈنٹ ولسن کی قدر و منزلت دنیا میں بہت بڑھ گئی تھی۔ مگر کمال پاشا کو پریذیڈنٹ مذکور کے چودہ نکات پر قطعی اعتبار نہ تھا۔ وہ ان نکات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور کہتے کہ ولسن کی آنکھوں میں دھول ڈالی گئی ہے مصطفےٰ کمال بار بار کہتے کہ جب یہ اصول وضع کیا گیا ہے کہ ہر ملک کی اپنی حکومت ہوگی تو پھر ترکی کے بارے میں کیوں بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ باب عالی کو اتحادیوں نے

قطعی طور پر یقین دلا دیا تھا کہ مصطفےٰ کمال حضور اور آپ کے خاندان سے متنفر ہے اور وقت آنے پر وہ ان کی قطعی مخالفت کرے گا۔

دوسری طرف کمال پاشا اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ترکی کے بچاؤ کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ سلطان المعظم اور اتحادیوں کا دل کھول کر مقابلہ کیا جائے۔ مگر آخر اتحادیوں کا مقابلہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ اتحادی جنہوں نے ترکی کا کچومر نکال دیا تھا جرمنی اور اسٹریا کو پیس ڈالا تھا۔ کس طور پر ایک نہتے شخص سے مرعوب ہو سکتے تھے۔ بایں ہمہ اس دور اندیش شخص نے یہ بھانپ لیا تھا کہ فرانس۔ اٹلی اور انگریز علیحدہ علیحدہ قسطنطنیہ پر نظر رکھتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر وہ متفق الرائے ہیں مگر اندر ہی اندر حسد کی آگ ان میں سلگ رہی ہے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس تھا کہ اتحادی تھک کر چور ہو چکے ہیں اور ان کے ملک کسی دوسری لڑائی لڑنے کے مصائب کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔

اس نظریہ سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کا عزم بالجزم کر لیا۔ وہ آدھی رات کے وقت کانفرنسیں منعقد کرتے تقریریں کرتے۔ لوگوں کو ابھارتے۔ کہتے ہمارے بادشاہ اتحادیوں کے پاس قید ہیں۔ وہ ڈر کی وجہ سے کوئی رائے نہیں دے سکتے اس لئے مناسب ہے کہ سلطنت کی اناطولیہ میں بنیاد رکھی جائے۔ اتحادیوں کو بھی ان کی چالوں کا پتہ چلا اور پہلے کی نسبت ان کی زیادہ خبر رکھنے لگے۔

اٹلی نے آنا فانا فیوم پر قبضہ کر لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ تمام اڈریاٹک

کے علاقہ پر قبضہ جما لیا جائے۔ دیگر اتحادیوں نے کانفرنس میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ آرلینڈو جو اٹلی کے نمائندے تھے بگڑ کر کانفرنس سے علیحدہ ہو گئے وینزلاس نے آرلینڈو کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر لائیڈ جارج نے ولسن اور کلیمنشو پر اپنا اثر ڈال لیا۔ انہیں اٹلی کے خلاف ابھارا۔ وینزلاس نے انہیں قایل کر دیا کہ ترکوں نے نہایت بے دریغی سے عیسائی بچوں مردوں اور عورتوں کا قتل عام سمرنا میں کرایا ہے۔ اور دیگر عیسائیوں کی جانیں معرض خطرہ میں ہیں اس عیار نے ترکوں کے متعلق وہ وہ افسانے گھڑے کہ سادہ لوح ولسن بہت متاثر ہوئے اور ایک تحقیقاتی کمشن کے تقرر کا حکم دیا۔ کمشن نے تحقیقات کے بعد رپورٹ کی کہ قتل عام کی کہانی محض افسانہ تھی برعکس اسکے یونانیوں نے غریب مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے کہ تہذیب گوارا نہیں کرتی کہ اسے لکھا جاوے۔ ترک عورتوں کے ساتھ وہ وہ بے حیائی کا سلوک ہوا کہ زمین و آسمان کانپ اُٹھے۔ بیکس بچوں کو بے دریغی سے گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ اور مسلمان مردوں کو زندہ زمین میں گاڑ گیا۔

اگرچہ دارالعوام نے بارہا مطالبہ کیا کہ کمشن کی رپورٹ کو چھاپا جاوے مگر وینزلاس کی چالاکیوں۔ عیاریوں اور بدعنوانیوں کی وجہ سے وہ رپورٹ عوام کے سامنے چھپ کر پیش نہ ہو سکی۔

فرانس اور انگلستان قطعی طور پر متفق تھے کہ اڈمیلیا کے علاوہ سمرنا اٹلی کو نہ دیا جاوے۔ یونان کی جنگی خدمات کا معاوضہ دینا ضروری

تھا اور علاوہ بریں یہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا کہ بحیرہ روم اٹلی کے قبضہ و اقتدار میں آجائے۔ اگر سمرنا یونان کو دیا جاوے تو اٹلی کی بڑھتی طاقت جو بحیرہ روم میں زوروں پر تھی رُک جائے گی اور اس طور پر دو مدعا حاصل ہو جائیں گے۔ لہذا حکم دیا گیا کہ یونانی اتحادیوں کے نام سے سمرنا پر قبضہ کر لیں ترکوں کو مطلع کیا گیا کہ شرائط نامہ کی دفعہ سات کے مطابق اتحادی سمرنا پر قبضہ کرینگے مگر سات دفعہ کے مطابق اتحادی صرف اس صورت میں قابض ہو سکتے تھے جبکہ انکی جان و مال خطرہ میں ہو پا اس لئے اس دفعہ کا اطلاق کسی طرح بھی نہ ہوتا تھا۔ ترکوں کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ سمرنا پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گا۔ اس لئے وزیر اعظم نے گورنر کو حکم دیا کہ وہ اور ترکی فوج و رعایا قبضہ کی مزاحم نہ ہو۔

چودہ مئی ۱۹۱۹ء کو اتحادی بیڑا سمرنا کے ساحل پہ لنگر انداز ہُوا۔ انگریز امیر البحر کالتھروپ نے ترکی گورنر کو طلب کیا اور اسے کہا کہ یونانی سمرنا پر قابض ہوں گے۔ گورنر کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو رویا پیٹا اور چلایا مگر امیر البحر نے سختی سے جواب دیا کہ مجھے پیرس سے یہی احکام صادر ہوئے ہیں اور میں ان کی تعمیل میں ہرگز کوتاہی نہیں کر سکتا۔ گورنر نے دو زانو ہو کر منت سماجت کی کہ وہ فوجیں جو قبضہ کے لئے شہر میں داخل ہوں گی محض یونانیوں کی نہ ہوں بلکہ انگریز فرانسیسی اور اطالوی بھی اس میں شامل کر لئے جائیں مگر اس درخواست کو بہت بُری طرح سے ٹھکرا دیا گیا۔

پندرہ مئی ۱۹۱۹ء کو مسلمانوں کے ساتھ سمرنا میں قبضہ کے وقت وہ سلوک کیا گیا کہ قلم میں یارا نہیں کہ اس کو بیان کرے۔ ترک سپاہیوں اور افسروں کو قتل کیا گیا۔ عورتوں کو گلیوں میں برہنہ پھرایا گیا۔ اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا سولہ مئی ۱۹۱۹ء کو مصطفےٰ کمال کو من وعن ان واقعات کی خبر لگی وہ رب العزت کی بارگاہ میں گڑگڑا اٹے۔ ترک بھائیوں اور بہنوں کی بےکسی پر چار گھنٹے تک زار زار روتے رہے۔ سر بسجود ہو کر دعا مانگی" اے مشرق و مغرب کے سچے بادشاہ مجھے طاقت دے کہ میں ان ظالموں کے قبضہ سے اپنے پیارے ملک کو آزاد کرا سکوں میں ان غریب یتیموں اور رانڈوں کو مخلصی دلا سکوں جنہیں اس وجہ سے سزا ملی ہے کہ وہ تجھے بغیر کسی شریک کے پوجتے ہیں اور تیرے برگزیدہ رسول کا کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں۔ اے میرے مولا میں تجھ سے سچا وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس پاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اور تیری رضامندی میں اپنی جان قربان کر ڈالوں گا اگر میں زندہ رہا تو اس وقت تک شادی نہ کروں گا جب تک کہ سمرنا آزاد نہ ہو جائے"۔

اس دن کے بعد مصطفےٰ کمال نے قسطنطنیہ میں علانیہ طور پر اتحادیوں کے خلاف مظاہرے شروع کر دئے۔ اٹلی اور فرانس ترکی کی نعش کے گرد چیلوں اور گدھوں کی طرح منڈلا رہے تھے مسٹر لائیڈ جارج یونان کے حامی تھے اور تھریس پر یونانی قبضہ کرانے کی ریشہ دوانیوں میں مشغول تھے وہ خوش تھے کہ آخر ترکی کا خاتمہ ہو گیا مگر

کون اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اتحادیوں نے خیال کیا کہ اس شخص کا قسطنطنیہ میں رہنا خالی از علت نہیں ہے اس لئے سلطان سے انہیں ایک ایسی اسامی پیش کرائی جسے وہ حب الوطنی کے جذبہ کی وجہ سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اس اسامی کے لئے قسطنطنیہ کے باہر بھیج دیا گیا۔ مثل مشہور ہے کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ وہ قسطنطنیہ سے نکل کر اور بھی کھل کھیلے اور اتحادیوں کی تمام چالوں کا راز افشا کر دیا۔ جب اتحادیوں کی ایک نہ چلی تو مصطفےٰ کمال کو ڈاکو اور باغی قرار دے کر ان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی گئی۔ آدھی رات کا وقت تھا جب ان کی بوڑھی والدہ کو پتہ چلا کہ ان کے سر کی قیمت تین لاکھ روپیہ مقرر کی گئی ہے۔ وہ اسی وقت عازم سفر ہوئی اور اپنے بیٹے کے پاس پہنچی۔ رؤف بے مصطفےٰ کمال کے پاس موجود تھے۔ معمر ماں جوش سے کانپتی تھی۔ خوف سے لرزتی تھی۔ مگر استقلال سے لبریز تھی۔ بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ آنسو جاری تھے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور یوں مخاطب ہوئی "بیٹا آج خوشی کا دن ہے کہ آقائے نامدار کی متابعت کا فخر تمہیں حاصل ہے بیٹا میں خوش ہوں کہ حضور مقبول سرور دو عالم کے سر کی طرح تمہارے سر کی بھی قیمت تعین کی گئی ہے۔ ملک و ملت کے لئے اگر تمہاری ہزار جانیں بھی ہوتیں تو میں بڑے شوق سے نثار کرتی۔ جان جائے مگر ملک سے دھوکا نہ کرنا۔ اس وقت اناطولیہ کو جاؤ۔ لوگوں کو جمع کرو اور فوجوں کو ترتیب دو

دنیا کو بتا دو کہ ایک ترک بچہ اپنے ملک کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اناطولیہ یہاں سے بہت دُور ہے۔ کوئی طاقت وہاں پہنچ کر لڑائی نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر تم راستے میں پکڑے گئے تو اپنی جان بہادری سے ملک پر نثار کرنا۔ یاد رکھو میں قیامت کے دن تم سے استفسار کروں گی۔ یاد رکھنا مجھے تاجدارِ مدینہ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے کہ میرے بیٹے نے بزدلی سے جان دی"۔

پروانہ راہداری ان کے پاس تھا۔ انہوں نے اناطولیہ پہنچنے کا قصد کیا۔ کٹھن راستہ۔ لق و دق صحرا۔ خاردار جھاڑیوں کا لا متناہی سلسلہ۔ رات کو سفر کرنا۔ دن کو جھاڑیوں میں چھپے رہنا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جن کے بیان کے لئے دفتر درکار ہیں۔ ہر واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس دماغ کا شخص تھا کیسے دل و گردے کا مالک تھا۔ ان حالات میں دماغی توازن کا قائم رکھنا معجزہ سے کم نہیں۔ مگر بقول موسیو فیری" نہ وہ مصائب سے گھبراتا نہ خوشی سے متاثر ہوتا۔ نہ رعب سے ڈرتا نہ خوشامد سے پسیجتا وہ ایک فولاد کی ڈلی کی مانند تھا جو نہ آگ سے پگھلے نہ پانی میں حل ہو"۔

اناطولیہ کے شہر سمسنا میں پہنچ کر انہوں نے ٹرکی کے مستقبل کے متعلق ایک بیان شائع کیا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ٹرکی ترکوں کے لئے ہے۔ آزاد ٹرکی کی ایک انچ زمین بھی آج سے غیر قوم کے قبضہ میں نہ ہو گی"۔

شہر سمسنا میں انہوں نے فوجوں کی ترتیب و تنظیم کی طرف پوری توجہ مبذول کی۔ انہوں نے ہر طرف برقی پیغام دوڑا دیئے کہ اڑا وقت ہے اور ہر ترک بچہ کا فرض ہے کہ قوم و ملت کی حفاظت کے لئے سر سے کفن باندھ

آموجود ہو۔ ایشیائے کوچک میں اس وقت صرف چوراسی کورپس موجود تھیں وہ آن واحد میں مرنے مارنے کے لئے ان کے جھنڈے تلے آموجود ہوئیں۔ دن بھر وہ فوجوں کی ترتیب میں گذارتے۔ شام کو جابجا مختلف مقامات پر لیکچر دینے اور بارہ بجے رات کے بعد مصاحبوں اور دوستوں سے تبادلۂ خیالات میں بقیہ رات گذار دیتے۔ صبح کے وقت فریضۂ نماز ادا کر کے صرف چار گھنٹے استراحت فرماتے ہر روز سینکڑوں میلوں کا سفر طے کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریباً چالیس ہزار فوج اناطولیہ اور ایشائے کوچک کی حفاظت کے لئے انہوں نے فراہم کر لی۔ لوگ حب الوطنی کے جذبہ سے بے حد سرشار ہو گئے۔ ایک ڈاکو احمد نامی کا واقعہ اس طرح درج ہے کہ وہ سلطان کے خلاف تھا۔ اس لئے یونانیوں سے جاملا۔ ایک روز ایک یونانی افسر نے بحالت مخموری تمباکو کا خوب صورت بٹوا احمد کو دیا۔ احمد نے پوچھا کہ یہ بٹوا انہیں کہاں سے ملا۔ نشہ کی ترنگ میں یونانی نے کہا کہ سمرنا میں وہ ایک خوب صورت مسلمان لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا۔ ترک لڑکی مجھ سے شادی پر رضامند نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اسکی زبردستی عصمت دری کی اور اسکے بعد اس کو اور اس کی ماں کو گولی کا نشانہ بنا دیا اور یہ ٹکڑا اس کے دوپٹہ سے کاٹ لایا جس کا بٹوا بنا لیا۔ احمد کا خون کھولنے لگا" بدمعاش عیار میری قوم کی بے کس عورتوں سے یہ سلوک"! اپنے خنجر سے اس یونانی کا گلا کاٹ ڈالا اور ترکی لشکر میں جاملا۔ وہاں پہنچ کر یونانیوں کے خلاف ایسے لڑا کہ تمام بدنامی کے دھبوں کو دھو ڈالا۔

۱۹۱۹ء کے اخیر میں کمال پاشا نے ایک مجلس مشاورت قائم کی جس میں تمام فدایان ملت جو قسطنطنیہ سے بھاگ نکلے تھے شامل ہوئے اس مجلس میں نکے دوست روف بے بھی موجود تھے فواد پاشا۔ فخری پاشا۔ نوری پاشا اور خالدہ خانم بھی وہیں تھے۔ ایک ہفتہ متواتر غور وخوض ہوتا رہا اور اس کے بعد وہ سب شیدائیان قوم اس نتیجہ پر پہنچے کہ چونکہ قسطنطنیہ میں حکومت اور باب عالی اتحادیوں کے پنجے میں گرفتار ہیں۔ اس لئے انگورا میں عارضی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی جاوے ؛

اس متفقہ فیصلہ کے بعد مصطفےٰ کمال پاشا نے باب عالی کو لکھ بھیجا کہ آج سے قسطنطنیہ کی حکومت سے اناطولیہ وایشائے کوچک آزاد ہے بلکہ قسطنطنیہ ان کے ماتحت ہوگا۔ باب عالی پہلے کی طرح خلیفہ تصور ہوں گے ہم بصد ادب واحترام باب عالی سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین امیر المومنین سلطان وحید الدین کے حضور میں عرض رساں ہیں کہ بعض وجوہات کی بنا پر قسطنطنیہ دار الخلافت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے وہ انگورا تشریف لے آویں اور ملک وملت کی مرضی کے خلاف کسی قسم کا بالواسطہ یا بلا واسطہ تعلق اتحادیوں سے نہ رکھیں۔ مگر حضور کو یہ کیسے منظور ہو سکتا تھا۔ باب عالی سے حکم صادر ہوا کہ جیسے بھی ہو مصطفےٰ کمال کو گرفتار کرکے اتحادیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مگر مصطفےٰ کمال اس قسم کی چالوں کو خوب سمجھتے تھے ؛

دورِ ثالث

باب اول

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

مصطفٰے کمال کے مصائب کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جس نے کسی ملک کے انقلاب عظیم بچشم خود دیکھے ہوں۔ وہ ایک واحد متنفس تھا۔ جو تکلیفوں سے متاثر نہ ہوتا۔ بلا جھجک سینکڑوں میل کی مسافت ہر روز طے کرتا اور کبھی بھی اس کے دل میں خدشہ پیدا نہ ہوتا کہ کوئی سپاہی تین لاکھ روپیہ کی ہوس میں اسے گولی کا نشانہ بنا کر ٹرکی کی تاریخ کا خاتمہ کر دے گا۔ یہ چالیس ہزار فوج جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں سینکڑوں میلوں میں بکھری پڑی تھیں۔ جہاں نہ سڑکیں تھیں اور نہ آسانی سے پہنچنے کے وسائل البتہ مغرب کی طرف اناطولیہ بغداد ریلوے کے ذریعہ آسانی سے سفر طے ہو سکتا تھا۔ مگر اس پر اتحادیوں کا پورا قبضہ تھا۔

سیواس جو کہ ایشیائے کوچک کا درّہ ہے۔ حملے کے لئے خطرناک جگہ تھی۔ اس لئے مصطفٰے کمال نے اودلیا سے دارالسلطنت امیسیا بدل دیا امیسیا ملک کے بہت اندر واقع ہے جہاں یورش قریب قریب ناممکن تھی۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے حکومت کے مختلف شعبے قائم کر کے ان کو علیحدہ علیحدہ محکموں میں تقسیم کر دیا اور باقاعدہ حکومت کی بنیاد ڈال دی انہوں

نے تمام گورنروں سے حلف لیا کہ وہ ملک کی حفاظت کے لئے کسی کی پرواہ نہ کریں گے اور مصطفےٰ کمال اور اس کی پارٹی کے حکم کی تعمیل اپنے ایمان کی شق اول سمجھیں گے۔ انہوں نے سمرنا کے واقعات بیان کر کے لوگوں میں ایک بیداری پیدا کر دی اور یونانیوں کے خلاف مظاہرے کر کے عوام میں ایک جذبہ پیدا کر دیا کہ سمرنا کے لوگوں کو ان ناپاک یونانیوں سے مخلصی دلانا ملک وملت کا اولیں فرض ہے۔ انہوں نے اس طور پہ مظاہرے کئے کہ یونانیوں کے ظلم وتعدی کی داستانیں ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئیں۔ مصطفےٰ کمال نے دنیا کے ہر ملک میں تاروں کے ذریعہ یونانیوں کے مکروفریب اور دغا ودجل کی اصلیت کو ظاہر کر دیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ "خبردار کوئی شخص یونانیوں کے ظلم وتعدی سے متاثر ہو کر عیسائیوں پر جو ٹرکی کے علاقہ میں مقیم ہیں ہاتھ نہ اُٹھائے"۔

ان مظاہروں۔ تقریروں اور کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ٹرکی کے وزیر اعظم نے مصطفےٰ کمال کو ایک تار بھیجا "آپ ملک وملت کو تباہ کر رہے ہیں۔ حکومت آپ کے خلاف سخت سے سخت سزا تجویز کرے گی۔ اور تمہاری ماں بہن گرفتار ہو چکیں ہیں اگر تم باز نہ آئے تو انہیں تختہ پر لٹکایا جائے گا۔ اور تمہارے بہنوئی کو گولی کا نشانہ بنایا جائے گا۔ ہماری زندگی کا راز اس امر میں مضمر ہے کہ ہم اتحادیوں کے زیر اثر امن کی زندگی بسر کریں"۔

کمال پاشا تار دیکھ کر بھڑک اُٹھے۔ کہنے لگے۔ موت سے

زیادہ اور کیا سزا تجویز ہو سکتی ہے۔ خلیفہ کٹ پتلی ہیں یہ تاریں یہ دھمکیاں میرے ارادوں کو کبھی متزلزل نہیں کر سکتیں۔ میں اللہ کا ہوں۔ وہی میرا ناصر ہے۔ میری ماں۔ بہن اور بہنوئی کی زندگی لاکھوں مسلمان بچوں۔ عورتوں اور مردوں کی زندگی سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ میں ان کی زندگی کی خاطر ان کو کبھی قربانی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا اور حکومت کی ہوس ان لوگوں کو پھانسی دے کر پوری ہو سکتی ہے تو وہ شوق سے اس ارمان کو پورا کر لیں" مگر حکومت کا مطلب حل نہ ہو گا۔ اس مضمون کا تار وزیر اعظم کی خدمت میں بھیجا گیا اور وہ اللہ کا بندہ پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے کمر بستہ ہو گیا۔

خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ فرانس اور انگلستان میں ٹرکی کی نسبت اختلاف رائے بڑھا فرانس ترکوں کی حمایت کرنی چاہتا تھا اور وہ اس بات سے جلتا تھا کہ سمرنا یونانیوں کے حوالے کیا گیا ہے۔ سلطان المعظم نے مصطفٰے کمال پاشا کو نہایت نرمی کا خط لکھا جس میں ان کی خوشامد اور دلجوئی کی اور انہیں قسطنطنیہ بلا بھیجا مگر وہ اپنے لئے ایک نئی شاہراہ تیار کر چکے تھے۔ اور ایسی چالوں کو خوب سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں اس وقت اناطولیہ میں مقیم رہوں گا جب تک کہ قوم اپنی پہلی آزادی حاصل نہ کرے"

مصطفٰے کمال کو سموں میں قریباً ایک مہینہ گذرا تھا کہ امید اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگی۔ فوجوں کی ترتیب و تنظیم ہونے لگی۔ لوگ جوق در جوق فوجوں میں بھرتی ہونے لگے۔ نوجوان جرنیل دور و دراز مسافت طے

کرکے وہاں پہنچ گئے۔ موجودہ جمہوریت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ آزادی کے اصول وضع کئے گئے اور ملک کو آزاد کرانے کا قطعی تہیہ کیا گیا ملک کی حالت کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے لئے مصطفےٰ کمال نے سواس میں جو اناطولیہ کے ایک طرف واقع ہے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا اور اس میں شمولیت کے لئے تمام صوبوں میں دعوت نامے ارسال کئے گئے تمام کرنیلوں نے کمال پاشا کے ساتھ تعاون کیا اور ہر طرح ان کی امداد کرنا ملک کی بہتری کا اول اصول گردانا۔ تمام ضلعوں میں خفیہ طور پر تاریں دی گئیں جن کا مضمون نقل کرنا از بس ضروری معلوم ہوتا ہے "مرکزی حکومت اس قابل نہیں رہی کہ وہ ملک کی حفاظت کی تدابیر سوچ سکے۔ ہمارے ملک کی آزادی صرف قوم کے متفقہ فیصلہ پر مبنی ہے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے تہیہ کیا ہے کہ ایک کانفرنس ملک و ملت کی مرضی دریافت کرنے کے لئے منعقد کی جائے ہر ضلع سے تین مندوبین آنے چاہئیں مگر اس تمام کارروائی کو صیغہ راز میں رکھا جائے"۔

قسطنطنیہ کی حکومت کو اس راز کا پتہ چل گیا انہوں نے احکام صادر کئے کہ کوئی شخص مصطفےٰ کمال سے تعلق نہ رکھے اور نہ کانفرنس میں شامل ہو ورنہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔

کانفرنس تو نہ رکی مگر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ مندوبین شمولیت کے لئے نہ آئے۔ کانفرنس کے فوراً بعد مصطفےٰ کمال نے ارض روم میں ایک مجلس مشاورت قائم کی کیونکہ اتحادی وہاں ارمینی سلطنت قائم کرنے کا

فیصلہ کر چکے تھے اور مشورہ کے بعد طے پایا کہ ارمینی سلطنت قائم کرنے کی تجاویز کی ہر طرح مخالفت و مزاحمت کی جاوے۔

وہ محسوس کرتے تھے کہ اتحادی ترکوں کو کچلنا چاہتے ہیں اور سب سے زیادہ سختی ہمارے ساتھ کی گئی ہے۔ جب انگریزی فوجوں نے الگزنڈریٹا پر قبضہ کرنا چاہا تو کمال نے بزور شمشیر وہ مقابلہ کیا کہ تاریخ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ انہوں نے وہاں انگریزوں کے قدم نہ جمنے دئے ترکی حکومت نے انہیں خط لکھے۔ پیغام بھیجے کہ وہ انگریزی قبضہ کے مزاحم نہ ہوں۔ انگریز وہاں عارضی طور پر تسلط جمانا چاہتے ہیں قسطنطنیہ اور ادطیل میں جہاں مصطفےٰ مقیم تھے دیر تک تاروں کا نامہ و پیام جاری رہا۔ وزیر اعظم نے کہا تم سلطنت کی پالیسی کے خلاف کام کر رہے ہو۔ تم باغی ہو۔ باب عالی نے تمہیں فوج سے موقوف کر دیا ہوا ہے اور تمہارے سر کی قیمت مقرر ہے۔ تمہیں وہ سزا دی جائے گی جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں۔ مصطفےٰ کمال نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ مجھے تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جہاں کسی قوم نے عارضی قبضہ کرکے ملک کو واپس کر دیا ہو۔ اس لئے میں مجبور ہوں۔ جب تک میری جان میں جان ہے میں اپنے ملک کی ایک انچ زمین پر کسی حکومت کا عارضی قبضہ نہ ہونے دوں گا۔

جب دھمکیوں سے کام نہ نکلا تو منت سماجت کی گئی طمع نفسانی دیا گیا۔ کروڑوں پونڈ پیش کئے گئے۔ سب سے معزز خطاب اور بہت

بڑی جاگیر دینے کا وعدہ کیا گیا۔ ارض روم میں ایک سلطنت قائم کر کے اس کا بادشاہ بنانے کا حلف لیا گیا۔ مگر اس راست باز انسان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اپنی ہٹ پر قائم رہا +

جب انگریز نڈریٹا پر قبضہ نہ ہو سکا تو اتحادی فوجیں موصل پر قبضہ جمانے کے لئے آگے بڑھیں۔ کمال بجلی کی طرح وہاں پہنچے اور پھر سینہ سپر ہوئے کہنے لگے۔ ٹرکی صرف ترکوں کے لئے ہے۔ عارضی شرائط میں کوئی ایسی شرط نہیں جس کی رو سے اتحادی ترکی کے علاقوں پر عارضی قبضہ کر لیں۔ اگر کوئی ایسا معاہدہ ہے تو مجھے دکھایا جاوے۔ میں ہر خطرے کے لئے تیار ہوں۔ میری زندگی قوم کی زندگی ہے۔ یہ زندگی چند روزہ ہے۔ جو میرے پاس بطور امانت ہے۔ میں کبھی اس میں خیانت نہیں کروں گا۔" انہوں نے وہ وہ تدابیر کیں کہ اتحادیوں کو وہاں سے بھی ناکام پھرنا پڑا +

سنہ ۱۹۱۹ء کے موسم گرما میں سلطان نے کمال پاشا اور ان کے رفقا کی سرکوبی کے لئے فوجیں بھرتی کر کے انہیں اناطولیہ میں بھیجنے کا ارادہ کیا مگر ہائی کمشنرز نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ نئی فوجیں بھرتی کرنا شرائط صلح کی خلاف ورزی ہے۔ جب اس طرح ان کی مطلب براری نہ ہوئی تو سلطان نے لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ اناطولیہ میں پہنچ کر عیسائیوں پر ہاتھ صاف کریں اور دنیا میں ظاہر کریں کہ مصطفےٰ کمال اور ان کے رفیق عیسائیوں کا قتل عام کر رہے ہیں اس طور پر انگریزوں اور فرانسیسوں کی ہمدردی حاصل کی جائے گی اور ان کی وساطت سے مصطفےٰ کمال اور اس کی قائم

کردہ حکومت کا خاتمہ آسان اور سہل کام ہوگا۔

جب ان تجاویز سے کام نہ نکلا تو سلطان المعظم نے سواس پر حملہ کرکے کمال اور اس کے رفقا کو گرفتار کرنے کا تہیہ کر لیا۔ علی غالب بے کو اس کام کے لئے مامور کیا گیا کہ وہ کردوں کی فوج سے اس منصوبہ کو پورا کریں۔ مگر علی غالب بے کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ وہ اپنی جان بچاکر قسطنطنیہ جا نکلے۔ اور ان کے کیمپ سے کچھ خطوط ملے جو ۱۹۲۷ء میں چھاپے گئے جس سے عیاں تھا کہ یہ حملہ محض مصطفےٰ کمال کی گرفتاری کے لئے کیا گیا تھا۔

ارض روم میں دوسری کانفرنس منعقد کی گئی۔ اعتراض اٹھایا گیا کہ چونکہ مصطفےٰ کمال فوج سے برخاست شدہ ہیں۔ اور حکومت کی نظروں میں باغی ہیں اس لئے انہیں کانفرنس کا صدر نہیں بننا چاہیئے مگر شیدائیان وطن نے اس کی چنداں پرواہ نہ کی۔ رؤف بے۔ بکر علی بے۔ کاظم پاشا علی فواد اور رفعت پاشا اس خیال کے تھے کہ موجودہ حالات میں زیادہ دیر مقابلہ ناممکن ہے۔ اس لئے اتحادیوں سے یہ شرط منوائی جائے کہ ٹرکی کو امریکہ کے زیر اثر کیا جاوے۔ انہوں نے مزید کہا کہ آج بیسویں صدی میں بغیر روپیہ کے زندہ رہنا ناممکن ہے۔ پانچ کروڑ پونڈ کا سود اس قدر ہوگا کہ ہماری تمام آمدنی اس میں کھپ جائے گی۔ کمال پاشا یہ سن کر تڑپ اٹھے اور کہنے لگے "دوستو اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو سب سے پہلا کام یہ کرو کہ اپنی عورتوں اور بچوں کا قتل عام کر دو۔ پھر مجھے پھانسی دے کر جو تجویز تمہیں منظور ہو اس پر

بے شک کار بند ہو جاؤ" وہ اس طور پر روئے کہ سب لوگ متاثر ہو گئے اور قرار پایا کہ مصطفےٰ کمال جس طور پر چاہیں عمل کریں اور ان کی تجاویز کے آگے سر تسلیم خم کیا جاوے۔

سلطان المعظم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ نہ ان کے پاس روپیہ تھا اور نہ ان کے بس میں فوجیں۔ وہ فوجیں جو قسطنطنیہ میں موجود تھیں۔ ان کی ہمدردی بھی مصطفےٰ کمال کے ساتھ وابستہ تھی۔ اس لئے ان کی مثال اس آدمی کی سی تھی جس کا سر کاٹ دیا گیا ہو۔

جب سلطان المعظم کو ہر طرف سے مایوسی کا سامنا ہوا۔ تو مصطفیٰ کمال کے ایک دوست عبدالکریم کی وساطت سے نئی چال چلنی چاہی کہ مصطفےٰ کمال کو ان کے تمام قصور معاف کر کے وزارت کا قلمدان ان کے سپرد کیا جائے۔ مصطفےٰ کمال نے اسے فوراً منظور کر لیا مگر شرط یہ پیش کی بادشاہ بہ نفس نفیس اناطولیہ تشریف لے آویں۔ مگر یہ بادشاہ نے منظور نہ کیا دوسری شرط جو مصطفیٰ کمال نے پیش کی کہ داماد فرید پاشا کو وزارت سے مستعفی کیا جاوے اور کسی لیفٹیننٹ کا ان کی بجائے تقرر کیا جاوے۔ بادشاہ نے اسے بھی ناپسند فرمایا مگر کچھ وقت کے بعد بادشاہ مجبور ہو گئے کہ داماد فرید پاشا کی وزارت کو توڑ ڈالا۔ ان کی بجائے علی رضا وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ مصطفیٰ کمال نے علی رضا کے تقرر کو بنظر استحسان دیکھا اور علی رضا کو ہر طرح کی امداد بہم پہنچانے کا حتمی وعدہ کیا۔

علی رضا کے تقرر پر اناطولیہ اور قسطنطنیہ کے مابین پھر رابطہ و اتحاد

قائم ہوگیا سینکڑوں بزدل جرنیل جو کمال پاشا کی خود مختاری سے لرزاں تھے شکرانہ کے لئے سربسجود ہوئے۔ مگر سوا اس میں بھی حکومت قائم رہی اس وقت دو حکومتیں قائم ہوگئیں۔ چونکہ مصطفےٰ کمال کی نیت نیک تھی۔ ان کا ارادہ ملکی حکومت کو آزاد کرکے خارجی استبداد کو ختم کرنے کا تھا اس لئے ناممکن تھا کہ وہ نیشنل گورنمنٹ کا خاتمہ کر دیتے۔ ان کے دوست جو معاملات کی تہ کو پہنچنے سے قاصر تھے۔ ان کی توجہ قومی حکومت سے دور رکھنا چاہتے تھے اور اُس کی بربادی کا نقصان کرتے لیکن جو ان کی دوربین آنکھ دیکھتی اس کا دوسرے کب مشاہدہ کرسکتے تھے۔ وہ دوستوں کے اصرار پر ہنس دیتے اور کہتے ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

قسطنطنیہ کی حکومت اتحادیوں کے ہاتھ میں تھی اس لئے سلسلہ رابطہ و اتحاد کا زیادہ دیر قائم رہنا قریب قریب ناممکن تھا۔ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد سلطان پھر اپنی پرانی چالوں پر اتر آئے ان کی اپنی حالت مخدوش تھی اور بیمار تپ دق کی طرح دن بدن کمزور ہو رہی تھی قسطنطنیہ میں بھی جہاں اتحادی اور سلطان المعظم مقیم تھے۔ مصطفےٰ کمال کی تحریک زوروں پر تھی اور عوام ان کی حکومت کی دل سے قدر کرتے اور خواہش مند تھے کہ کسی طور پر قسطنطنیہ میں بھی یہ حکومت قائم ہو جائے۔

علی رضا کی وزارت میں صالح پاشا بحری وزیر تھے جن کی طبیعت

کارجحان مصطفےٰ کمال کی طرف تھا اس لئے انہوں نے وزیر اعظم کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ موخر الذکر کو گفت وشنید کے لئے سواس بھیجا جاوے دیر تک دونوں میں تبادلہ خیال جاری رہا۔ کمال پاشا کا نقطہ نگاہ صرف ملک اور قوم کی حفاظت تھی اس لئے وہ فوراً اس بات پر راضی ہو گئے کہ اگر بادشاہ اپنی ادھیڑ بن سے باز آجائیں۔ تو انہیں قطعی طور پر معزول نہ کیا جاوے گا۔

چونکہ قسطنطنیہ اتحادیوں کے قبضہ میں تھا۔ سواس کی پوزیشن ایسی نہ تھی کہ وہاں دارالسلطنت قائم رہ سکے اس لئے مصطفےٰ کمال کو تڑپ پیدا ہوئی کہ دارالسلطنت ایسا مقام ہونا چاہیئے جو قطعی طور پر محفوظ ہو اور دشمن کی دست وبرد سے الگ تھلگ ہو۔ جہاں پارلیمنٹ اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر ملکی نقاط پر بحث وتمحیص کر سکے۔ جہاں انتہائی خطرہ کے وقت بھی ملکی شیرازہ منتشر ہونے کا خوف لاحق نہ ہو۔ ان امور کو سوچ بچار کر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انگورا ایک ایسا مقام ہے جو ان تمام ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔

وہ انگورا پہنچے۔ روپیہ کی اشد کمی تھی ایک امیر دوست نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تقلید کرتے ہوئے اپنے گھر کا سب اثاثہ ان کی نظر کیا۔ اس اثاثہ سے دو کروڑ پونڈ ملے جس سے فوجوں کی ترتیب دی۔ شہر پہ قبضہ کیا۔ پارلیمنٹ کے لئے ووٹروں کی فہرست بنائی۔ پولیس کی تنظیم کی۔ آبیانہ کی وصولی کا انتظام کیا۔ حکومت کو ہر طرح مستحکم کیا۔ جنرل الیکشن کیا۔ لوگوں کے دلوں میں احساس پیدا کر دیا کہ کسی ملک کے لئے سب سے بہتر

حکومت اس کی اپنی حکومت ہے۔ الغرض انگورا میں حب الوطنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اتحادیوں اور سلطان کی ریشہ دوانیاں غداروں کی ہوسیں۔ کمال پاشا کی پریشانی بڑھانے کے لئے کم نہ تھیں قسطنطنیہ کی حکومت کی یہ دن رات کوشش رہتی کہ کسی طرح مصطفےٰ کمال کو گرفتار کر لیا جائے مگر جس کا نگہبان خدا ہو۔ اسے کون گزند پہنچا سکتا ہے۔

اتحادیوں نے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے اپنا ایک نمائندہ انگورا بھیجا۔ وہ حالات کو بنظر عمیق مطالعہ کر کے ہراسان ہو گیا۔ مصطفی کمال نے صاف صاف کہہ دیا کہ عرب اور شام کو بے شک آزاد کیا جاوے مگر ٹرکی کے علاقہ کی ایک انچ زمین پر کسی خارجی حکومت کا قبضہ نہیں رہ سکتا۔ ہم وہی طلب کرتے ہیں جو ہمارا پیدائشی حق ہے۔ نمائندہ تیزی کلام سن کر سخت متحیر ہوا اور اس نے لکھ دیا کہ مصطفی کمال کی مدد قدرت کر رہی ہے اور وہ ایسے حالات پیدا کر چکا ہے کہ اس کا دبانا کوئی آسان کام نہیں۔ ہاں البتہ ایک جنگ عظیم ایسی اور لڑائی برپا کی جاوے تو ممکن ہے کہ دس سال کے عرصہ میں تمام یوروپ کی متفقہ کوشش اس شخص اور اس کی تحریک کا گلا گھونٹنے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس پاکباز شخص کی قدرت نے بہت زیادہ مدد کی۔ چار مقتدر ہستیاں یعنی مسٹر لائیڈ جارج۔ ولسن کلیمنسو اور فرینک بلاں اپنی گرج سے تمام یوروپ کو پریشان کر رہے تھے مگر جہاں تک ٹرکی کا تعلق تھا۔ ان کی گرج بے معنی تھی۔ قسطنطنیہ اتحادیوں کے ہاتھ میں

تھا۔ مگر باہر ان کی حکومت کی کوئی شخص پرواہ نہ کرتا مصطفےٰ کمال نہایت
اطمینان کے ساتھ اپنی دھن میں مشغول تھے اور وہ روس سے ساز باز کرنے
میں کامیاب ہو چکے تھے۔ لینن سمجھ چکے تھے کہ وہ ترکی کو بچا کر تمام دنیا میں
اپنا پروپیگنڈا آسانی سے کر سکتے ہیں۔ اس لئے روس نے لاکھوں بندوقیں
اور ہزاروں من سامان حرب ترکی کو پیش کیا۔ فرانسیسی جہاز رانوں نے
بحیرہ اسود میں بغاوت برپا کر دی تھی۔ اطالوی فوجوں نے البانیا میں لڑنے
سے صاف انکار کر دیا تھا اور ہزاروں انگریزی سپاہیوں نے وائٹ ہال
کے سامنے مظاہرے کر کے اس امر کو عیاں کر دیا تھا کہ وہ مزید لڑائی سے
سخت متنفر اور پریشان ہیں۔ اگرچہ تینوں ہائی کمشنرز اصلی واقعات کو
اپنی اپنی حکومت کے سامنے پیش کرتے مگر اتحادی کمال پاشا کی چنداں پرواہ
نہ کرتے اور کہتے کہ ایک شخص اتحادیوں ایسی قوت کے مقابلہ کی کیسے تاب
لا سکتا ہے۔ وہ اپنے اپنے کمشنر کو یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ کیا پدی اور کیا پدی کا
شوربہ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ بسا اوقات ایک چیونٹی ہاتھی کی موت کا باعث
ہوا کرتی ہے۔ دنیا جان چکی تھی کہ اتحادیوں میں پہلے سا جذبہ اور یگانگت نہیں رہی
اس نظریہ سے متاثر ہو کر ۸ نومبر ۱۹۱۹ء کو مسٹر لائیڈ جارج نے گلڈ ہال میں
ایک تقریر کی جس کا موضوع یہ تھا کہ اتحادیوں میں قطعی طور پر ترکی کی پالیسی
کے متعلق اتفاق ہے۔ ہم یہ قطعی فیصلہ کر چکے ہیں کہ ترکوں کے مظالم کا خاتمہ
کر ڈالا جائے۔ یونانیوں۔ ارمنیوں اور عربوں کو ان کے پنجہ ظلم سے نجات
دلائی جائے۔ بحیرہ اسود اور بحیرہ ایجیئن آمد و رفت کے لئے ہر وقت کھلے

رہیں گے۔ درہ دانیال کے قلعے مسمار کئے جاویں گے تاکہ ہر قوم فائدہ اُٹھا سکے"۔

ترک جو فطرت انسانی کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ وہ ایسی چالوں کو خوب سمجھ چکے تھے۔ اس لئے ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

مصطفےٰ کمال نے ایک اعلان شائع کیا کہ ہمارے پاس اتحادیوں کا ایک خفیہ معاہدہ کی نقل ہے جس میں ٹرکی کے حصے بخرے عجیب طور پر کئے گئے ہیں۔ بوقت ضرورت ہم اس معاہدے کی نقل شائع کرکے دنیا پر اصلیت ظاہر کردیں گے۔ اتحادیوں نے جو قبضہ قسطنطنیہ اور ٹرکی کے علاقوں پر جما رکھا ہے۔ عجیب نوعیت کا ہے اور اس کی مثال دنیا میں مفقود ہے۔ اتحادیوں کو اپنی سینہ زوری کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا"۔

پیرس میں حیرانی پیدا ہوگئی کہ کیا اس مخبوط الحواس جرنیل میں یہ جرات ہے کہ وہ یورپ کی طاقتوں کو اس طور پر دھمکی دے سکے مگر وہ وقت قریب تھا کہ ان کی دھمکیاں اصلیت میں تبدیل ہوجاویں۔

باب دوم

اتحادیوں نے مصطفیٰ کمال کو ایک نوٹ کے ذریعہ مطلع کیا۔ کہ قسطنطنیہ اور ابنائے ترکوں کے قبضہ میں رکھنے کے لئے ہم تیار ہیں بشرطیکہ وہ ان کی دوسری شرائط مان لیں۔ کمال پاشا نے بواپسی لکھ بھیجا کہ وہ کوئی ایسی شرط ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں جس سے ٹرکی کے علاقہ کی ایک انچ زمین بھی کسی غیر حکومت کے قبضہ و اقتدار میں رہے۔

لوگوں کے جذبہ کا یہ حال تھا کہ قسطنطنیہ سے ہر روز اسلحہ۔ گولہ و بارود باقاعدہ طور پر انگورا بھیجا جاتا۔ اگرچہ ہائی کمشنر اور سلطان المعظم اس کے خلاف قانون نافذ کر چکے تھے مگر عوام اس کی ذرا بھر بھی پرواہ نہ کرتے۔ اتحادیوں نے اسلحہ و گولہ بارود کے انبار جرنیل ورنگل کی افواج کے لئے جس کا ارادہ سوویٹ پر حملہ کرنے کا تھا جمع کر رکھے تھے۔ نیشلسٹ افسروں نے اس چالاکی سے اس پر چھاپا مارا کہ وہ اس میں سے بہت زیادہ حصہ لے گئے اور اسے انگورا پہنچا دیا۔

سمرنا پر گاہے گاہے لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ مصطفےٰ کمال نے سب سے پہلے اپنی توجہ کلیکا کی طرف جہاں فرانسیسی قابض تھے مبذول کی ترکوں نے فرانسیسوں کو شکست پر شکست دی اور ان کا ناک میں دم بند کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی مارس کا شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور شہر فاتح

ترکوں نے محصور کر لیا اور فرانسیسوں کو وہاں بھی ہتھیار ڈالنے پڑے
فرانسیسوں کو ہر روز کی ناکامیوں نے دل برداشتہ کر دیا تھا اس لئے وہ
مشرقی گلیکا کو اس طرح چھوڑ کر بھاگے گویا کہ وہ کبھی وہاں قابض ہی نہیں
ہوئے تھے۔

ان واقعات سے قسطنطنیہ میں بھی لوگوں کی ڈھارس بندھ گئی۔
اس لئے انہوں نے علی الاعلان سلطان کی مخالفت شروع کر دی۔ ہر روز
سینکڑوں آدمی گرفتار کئے جاتے مگر اس کی بھی کسی کو پرواہ تھی۔ علی رضا پاشا
وزارت سے مستعفی ہو گئے اور ان کی جگہ صالح پاشا مقرر ہوئے۔

اتحادیوں نے محسوس کیا کہ واقعات کو اس طور پر چھوڑ دینا نامناسب
اور ناموزوں ہے۔ ان کے احکام کی قسطنطنیہ میں کوئی شخص رائی بھر پرواہ
نہیں کرتا۔ اس لئے انہوں نے ارادہ کیا کہ ترکوں کو ایسا سبق دیا جائے کہ
وہ ابدالآباد تک یاد رکھیں۔

لندن میں وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ترکوں کی بدکرداریوں کا انہیں
وہ نتیجہ بھگتنا پڑے گا کہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی۔ سزا کے بارے میں
وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے تھے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ وہ زیادہ سے
زیادہ زور قسطنطنیہ پر ڈال سکتے تھے مگر وہاں کے لوگ بھی زندگی کی چنداں
پرواہ نہ کرتے تھے۔

دس مارچ ۱۹۲۰ء کو لارڈ کرزن نے ہوس آف لارڈز میں نہایت
جوش کے ساتھ کہا "اتحادیوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ترکوں اور خاص کر

ایک ڈاکو مصطفیٰ کمال کی شرارتوں کا قلع قمع کیا جاوے ہم اس ڈاکو کے مظالم اور قتل و غارت پر آنکھیں بند نہیں کر سکتے"۔

قسطنطنیہ کے ساحل پر ہر روز نئے انگریزی جہاز لنگر انداز ہوتے اور دن بدن قسطنطنیہ کی حفاظت میں فوجوں کا اضافہ کیا جاتا۔ روف بے نے ببانگ دہل کہہ دیا کہ انگریز صالح پاشا کو معزول کر کے داماد فرید پاشا کو وزیر اعظم بنانا چاہتے ہیں اور تمام نیشلسٹ لوگوں کو گرفتار کر کے زنداں میں ڈال دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے روف بے کو تار دیا کہ تمام نیشلسٹ فوراً بھاگ کر انگورا پہنچ جائیں۔

سولہ مارچ ۱۹۲۰ء کو بہت زیادہ گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ شہر پر ہوائی جہاز اُڑ رہے تھے۔ سمندر میں بحری جہاز توپیں داغ داغ کر لوگوں کے دلوں پر ہیبت طاری کر رہے تھے۔ جرنیل سر ہنری ولسن جو اتحادیوں کے سپہ سالار تھے بذات خود شہر میں گھوم رہے تھے۔ الغرض انگریزوں کا پورا تسلط و اقتدار قسطنطنیہ پر قائم تھا۔ جب فرانس اور اٹلی نے محسوس کیا کہ انگریز ہی قسطنطنیہ پر قابض ہیں تو انہوں نے بھی اپنا اپنا حصہ طلب کیا۔

سترہ مارچ ۱۹۲۰ء کو تمام سرکاری دفاتر اور عمارتوں پر انگریزوں نے قبضہ جما لیا۔ ایک بن چلاترک جو ملٹری کے محکمہ ٹیلیگراف میں ملازم تھا اپنی ڈیوٹی پر قائم رہا اور مسلسل تاروں کے ذریعہ تمام واقعات کی خبر انگورا بھیجتا رہا۔ حالانکہ انگریزوں کا حکم تھا کہ کوئی خبر تار کے ذریعہ انگورا

پہنچنے نہ پائے۔ وہ دلیر انسان اس وقت تک بھی خبریں بھیجتا رہا جب کہ انگریز اس کے محکمہ پر قبضہ کر رہے تھے اور وہ ایک کمرہ میں اپنے کام میں مشغول تھا۔ آخری تار جو اس نے روانہ کی یہ تھی کہ انگریزوں نے جب ہمارے سپاہی سو رہے تھے شہر پر قبضہ کر لیا ہے۔ بہت زخمی ہوئے ہیں اور بہت سے مارے گئے ہیں۔ انگریز نیمی دروازہ سے داخل ہوئے تھے اب وہ میرے کمرہ میں آ گئے ہیں"۔

رؤف بے۔ فتحی بے اور شہزادہ سعد حلیم مع تمام نیشلسٹوں کے گرفتار کئے گئے۔ جج۔ وزرا مدبرین۔ امرا کو معمولی جیل خانوں میں اخلاقی مجرموں کے ساتھ بند کیا گیا۔ تمام جیل خانوں سے اخلاقی اور پولٹیکل قیدی جن کے مقدمہ کی ابھی سماعت ہی نہ ہوئی تھی جہازوں میں بند کر کے مالٹا بھیجے گئے۔ پارلیمنٹ کے مشتبہ ممبر گرفتار کر لئے گئے۔ عالم۔ مورخ اور ادیب کال کوٹھڑیوں میں بند کئے گئے۔

بے کس اور غریب لوگ بھاگ کر پریشان رہ گئے۔ آسمان تلے انہیں کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ سلطان المعظم کو لوگ نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔ ہر روز باب عالی کے ہاں سے فہرست تیار ہو کر جاتی اور اس کے مطابق لوگ گرفتار کئے جاتے۔ ایک انگریز مورخ رقمطراز ہے کہ انگریزی انصاف کی شہرت کا بھانڈا پھوٹ گیا اور اسے ایسا گھن لگ گیا جو کبھی نہیں اترے گا۔ انہی دنوں نے عوام کے دلوں پر آئینی حکومت کی دھاک باندھنی چاہی تھی مگر بجائے اس کے نفرت کی دھاک بندھ گئی مصطفے کمال

اوران کی حکومت بہت زیادہ محبوب اور ہر دلعزیز ہو گئی ۔

قسطنطنیہ میں مارشل لا نافذ کیا گیا ۔ اخبار کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی ۔ پولیس ۔ ٹیلیگراف ۔ ڈاک خانہ اور تمام دفاتر جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں اتحادیوں کے بس میں تھے ۔ شام کے چھ بجے بعد گلیوں میں نکلنا جرم تھا ۔ سینکڑوں ترک پٹوائے گئے اور ان سے وہ وہ سلوک کیا گیا کہ اس کا احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے ۔

سلطان وحید الدین بظاہر بہت خوش تھے کہ ان کی تمنا بر آئی اور کمال پاشا کی عزت کا خاتمہ ہو گیا ۔ وہ گھی کے چراغ جلاتے کہ اب کوئی ان کے تخت و تاج کی طرف اشارہ کرنے والا نہیں ۔ سب لوگ قید ہو کر جلاوطن ہو چکے ہیں اور مصطفے کمال بھی عنقریب پابجولاں ہماری سرکار میں حاضر ہو گا ۔ لوگ ہنستے اور کہتے یہ خلیفۃ المسلمین ۔ امیر المومنین ظل الٰہی نائب رسول اللہ کے فعل ہیں ۔

ہم ضرور کہیں گے اگر سلطان وحید الدین کے دماغ میں رتی بھر بھی عقل موجود ہوتی ۔ انہیں اپنی اور اپنے خاندان کی استقامت کا خیال ہوتا ۔ ان کے پہلو میں دل ہوتا اور اس میں قوم کی محبت ۔ ان کی ضمیر میں ایمان کی روشنی ہوتی تو وہ ان حرکات سے تائب ہو کر فوراً انگورا بھاگ جاتے اور مصطفے کمال کے دوش بدوش لڑ کر یا تو عثمان کے خاندان کی بنیادیں مستحکم کر جاتے یا دنیا پر اپنا نام روز روشن کی طرح چھوڑ جاتے ۔

مگر وحید الدین کو زعم باطل تھا کہ ان کے آقائے نامدار عنقریب اناطولیہ

پر قبضہ جمالیں گے۔ سلطان اور لندن اب شیر و شکر تھے۔

نیشنلسٹ پارٹی کی حالت اب پھر پریشان ہو چکی تھی پارلیمنٹ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ داماد فرید پاشا جو سلطان کے بہنوئی تھے وزیر اعظم تھے۔ بادشاہ کے اصرار پر شیخ الاسلام نے ایک فتوے جاری کیا جس میں مصطفی کمال اور تمام نیشنلسٹ کو باغی۔ مرتد اور کافر قرار دے کر ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ تحریک کا خاتمہ کرنے کے لئے قسطنطنیہ میں اعلان کیا گیا کہ مصطفے کمال اور اس کے ساتھی گرفتار ہو چکے ہیں اور انہیں کل پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ ایک شخص کو جس نے چہرہ پر نقاب تھا پھانسی دیا گیا اور مصطفے کمال کی موت کا خوب چرچا ہوا جب مصطفے کمال کی والدہ نے جو قسطنطنیہ میں تھی اس خبر کو سنا۔ وہ صبر و شکر کے ساتھ خاموش ہو رہی۔

جب مصطفی کمال کو انگورا میں ان واقعات کی خبر پہنچی تو انھوں نے ڈنکے کی چوٹ مقابلہ کی ٹھان لی۔ اناطولیہ میں سب انگریز گرفتار کر لئے گئے۔ جہاں کہیں بھی انگریز فوجیں موجود تھیں۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ کونیا میں اٹلی کو وہ شکست دی کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ چند ہی دنوں بعد مصطفے کمال نے از سر نو جنرل الیکشن کرایا اور تمام کے تمام نیشنلسٹ کامیاب ہو گئے۔

موسم بہار میں انگورا کے لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا سینکڑوں فوجی اور پولیس افسر جو لندن۔ پیرس۔ روم۔ برلن میں سالہا سال رہ چکے

تھے جوق در جوق انگورا پہنچ گئے۔ وکیل۔ پروفیسر۔ ادیب۔ مصنف مورخ۔ اور اڈیٹر اس طور پر پہنچے گویا کہ انسانوں کا ایک سیلاب آرہا ہے طرفہ تماشہ یہ کہ ان سب لوگوں کے پہنچنے کا انتظام مصطفے کمال نے دشمن کے علاقہ سے گذرنے کا کیا تھا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ ہزاروں معزز اور امیر شہری دوڑ دوڑ کر آئے اور انگورا میں جسے وہ دارالامان کہتے تھے مقیم ہوگئے۔ سپاہیوں کے آنے کا تانتا بندھا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام ترکی انگورا کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ گویا کہ وہ ٹرکی کا مکہ ہے۔ انگورا میں رہائش کی وہ قلت ہو گئی کہ ایک مکان میں بیس بیس آدمی گھس گئے لوگوں نے اس بات کی پرواہ نہ کی کہ انہیں زمین پر سونا پڑتا ہے۔ انہیں تکلیف میں راحت معلوم ہوتی اور اگر وہ کسی چیز کی پرواہ کرتے تھے۔ تو وہ اُن کی کھوئی ہوئی آزادی تھی۔

حکومت کا دفتر ایک بوسیدہ مدرسہ میں تھا۔ اس میں نیشنل اسمبلی کے اجلاس ہوتے۔ یہیں پارلیمنٹ غور و خوض کرتی۔ وزرا کچے مکانوں میں زندگی کے دن بسر کرتے۔ جنرل سٹاف فوجی بارکوں میں گذارہ کرتے۔ مصطفے کمال دن بھر ایک مسجد میں گذار دیتے اور وہیں نظام حکومت کے مراحل طے پاتے۔ رات کو یہ قوم کا متفقہ لیڈر اسٹیشن ماسٹر کے کمرہ میں شب باش ہوتا۔ ان کے پھٹے کپڑوں اور نہایت سادہ غذا میں خلفائے راشدین کا عجیب و غریب منظر مضمر تھا۔

وہ امیر و کبیر لوگ جو ہجرت کرکے قسطنطنیہ سے آئے تھے۔

ان کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ سر بفلک محلوں سے نکل کر ٹوٹے پھوٹے
مکانوں میں جہاں نہ کوئی فرنیچر تھا رہنا باعث فخر سمجھتے۔ وہ رات کو مچھروں
اور پسوؤں کے کاٹنے کی مصائب خوشی سے برداشت کرتے۔ تین سال
تک متواتر انہوں نے یہ تکلیفیں جھیلیں مگر زبان پر حرف شکایت نہ آیا
قسطنطنیہ کی نازک اندام پری پیکر خواتین دن رات محنت و مشقت
کرتیں۔ بچے گلیوں میں اللہ اکبر کے نعروں سے
آسمان ہلا دیتے اور اپنے مالک حقیقی سے گڑ گڑا کر آزادی وطن
کی دعائیں مانگتے۔

اور ہاں! یہ شریف النفس۔ شیدائی وطن۔ محب قوم۔ ایمان کا اجالا
اور خلوص کا پتلا۔ دن رات آزادی کی دھن میں گذار دیتا۔ رات کو صرف
چار گھنٹے آرام کرتا۔ بلاشک و شبہ اس کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے تھے
ان ایام میں اس کی خوراک ۲۴ گھنٹہ میں آدھ سیر دودھ اور دو توس تھی
وہ بار ہا کئی کئی دن درد گردہ سے بستر پر تڑپتا مگر وہ حضرت بلالؓ کی طرح اپنے عشق
کا نتیجہ منہ سے ملک کی آزادی کے نعرے لگاتا۔ بسا اوقات جب اس کے
معالج اس کی زندگی سے مایوس ہو جاتے تو وہ کہتا "تاجدار مدینہ کے پاؤں
کی خاک کی قسم۔ میری زندگی کے دن باقی ہیں۔ میں گناہ گار ہوں مگر میرا
دل گواہی دیتا ہے کہ جس مقصد کے لئے مجھے معمور کیا گیا ہے وہ انشاءاللہ
پورا ہو گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس طرح حضور مقبول سرور دو عالم بأبی انت
و امی نے قیصر و کسریٰ کی سلطنت کے پرخچے اڑتے دیکھے تھے میں دشمنان

ٹرکی کو خوار و ذلیل کر کے رہوں گا۔"

تیئیس اپریل ۱۹۲۰ء کو جنرل الیکشن ختم ہوا چوبیس اپریل کو بیرم خان کی مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے تمام اکابرین سلطنت۔ وزرا۔ امرا اور غربا دوش بدوش کھڑے ہوئے نماز کی ادائیگی کے بعد پارلیمنٹ کے تمام ممبروں کا جلوس نکالا گیا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا جھنڈا مصطفےٰ کمال کے ہاتھ میں تھا جو جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے کہیں کہیں ٹھہر جاتے اور کہتے "بھائیو آج اسلام پر مصیبت کا دن ہے۔ آج وہی زمانہ طاری ہے جو رسالت مآب کی وفات پر تھا۔ آج وہی حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کی لڑائی کا زمانہ ہے۔ بہادرو تمہارے بھائی اور بہنیں سمرنا میں بے دریغی سے ذبح کئے جا رہے ہیں۔ بے کس بچوں عورتوں اور مردوں کا قصور صرف اس قدر ہے کہ وہ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مجاہدو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

نہ تو وہ لائیڈ جارج کی دھمکیوں کی پرواہ کرتے۔ نہ کرزن کے خطوط کا ان پر اثر ہوتا۔ نہ موسیو بریان کی لفاظی پر کان دھرتے وہ کہتے "ایک چھوڑ ہزار عہد نامے سلطان اور اس کی حکومت سے کر لو۔ ملک ترکوں کا ہے۔ صرف انگورا کی حکومت ملک کی نمائندہ حکومت ہے اور جب تک ہماری جان میں جان ہے کوئی غیر ملکی حکومت ترکی کی ایک انچ زمین پر بھی قابض نہیں ہو سکتی"۔

پچیس اپریل سنہ ۱۹۲۰ء کو نیشنل پارلیمنٹ کا اجلاس رات کے وقت مدرسہ کے ہال کمرہ میں منعقد ہوا۔ باتفاق رائے قرار پایا کہ آزادی وطن کی تحریک ملک و ملت اور سلطان المعظم کو محفوظ رکھنے کے لئے چلائی گئی ہے۔ چونکہ باب عالی خارجی قبضہ کے اقتدار میں قید ہیں اس لئے ملّی حکومت کی مرضی کے بغیر نہ تو کوئی عہد نامہ طے پا سکتا ہے اور نہ خلیفۃ المسلمین اس کے مجاز ہیں کہ کسی معاہدہ پر دستخط ثبت کر سکیں"

پارلیمنٹ میں ایک اگزکٹو سب کمیٹی بنائی گئی اور گیارہ ممبر جنہیں اگزکٹو کمشنرز کے نام سے منسوب کیا گیا کمیٹی کے ممبر چنے گئے۔ مصطفٰے کمال نیشنل اسمبلی کے صدر تھے۔ اور وزیر اعظم۔ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اس طاقت کے جو اس شخص کے ہاتھ میں تھی اس نے کبھی بھی کوئی ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا۔ لوگ اسے آئین کا مجسمہ کہتے اور اس کے ہر کام پر لبیک کہنا اپنے ایمان کی تقویت کا باعث سمجھتے۔

ان ایام میں عصمت پاشا قسطنطنیہ سے بھاگ کر انگورا پہنچ چکے تھے مصطفٰے کمال نے انہیں چیف آف دی جنرل سٹاف مقرر کر دیا۔ وہ نوعمر تھے مگر فصاحت و بلاغت۔ حب الوطنی۔ اور خداداد لیاقت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان کے تقرر پر بڈھے جرنیل کچھ چیں بجبیں ہوئے مگر مصطفٰے کمال کے خلوص کی وجہ سے خاموش ہو گئے۔

سلطان وحید الدین کی تڑپ دن بدن بڑھ رہی تھی۔ شیخ الاسلام کے فتوے سے چنداں تسلی نہ ہوئی۔ اتحادی بھی اس امر کے قائل تھے۔

کہ وہ جو سبق مصطفےٰ کمال کو پڑھانا چاہتے تھے ابھی تک شروع نہیں ہُوا۔ اس لئے سلطان نے اتحادیوں کے بل بوتے پر اناطولیہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ خاص فوجیں اس امر کے لئے چنی گئیں قابل اور وفادار افسروں کی زیرِ نگرانی حملہ کے لئے روانہ ہوئیں۔ جاسوس کردستان بھیجے گئے۔ کہ وہ قبیلوں کو کمال پاشا کے خلاف ابھاریں۔ لوگوں کے دلوں میں خلیفہ کا پرانا احترام اس قدر تھا کہ اناطولیہ کے بعض علاقوں میں بھی مصطفےٰ کمال کی حکومت کے خلاف بغاوت پھیل گئی۔ شروع شروع میں سلطان کی فوجوں کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے مصطفےٰ کمال کا ایک پورا ڈویژن گرفتار کر لیا۔

مصطفےٰ کمال کو اس بغاوت کے فرو کرنے میں ایک خاص تکلیف کا سامنا ہُوا۔ ایک طرف بغاوت فرو کرنے کا انتظام دوسری طرف باقاعدہ لڑائی لڑنا ایسی مصیبتیں تھیں جن پر قابو پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔

یورپ کی شخصیتوں کو مطالعہ کر کے ترک اپنے جذبہ حب الوطنی کو بیدار پا رہے تھے۔ اناطولیہ کے کسانوں نے عزم بالجزم کر لیا تھا۔ کہ وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے مصطفےٰ کمال کی زیرِ نگرانی اپنی جان بھی قربان کر دیں گے۔ آزادی کا وہ بیج جو مصطفےٰ نے بویا تھا۔ نہایت عمدہ پھل لایا۔

سلطان کی فوجیں انگورا کے مضافات میں پہنچ چکی تھیں اور لوٹ مار غارت میں مصروف تھیں کہ مصطفےٰ کمال ایک جرار لشکر لے کر ان کے مقابلے کے لئے نکلے اور ان کو اس طور پر پسپا کیا کہ ہزاروں کا کھیت ہوا ہزاروں پکڑے گئے اور باقیماندہ نے دوڑ دھوپ میں اپنی جان دی۔ سلطان المعظم

انگلستان کی طرف اس طرح جھکے جیسا کوئی ڈوبتا آدمی تنکے پر ہاتھ مارتا ہے۔

سلطان المعظم کی شکست پر فوراً ملک میں امن ہو کر خانہ جنگی کا احتمال ہمیشہ کے لئے جاتا رہا۔ اگرچہ اتحادیوں کا قبضہ قسطنطنیہ پر موجود تھا تاہم مصطفے کمال نے وہاں حملہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ جب اتحادیوں کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے کردوں سے بغاوت برپا کرا دی۔ مگر مصطفے کمال نے فوراً ان کی سرکوبی کر کے وہاں بھی امن قائم کر دیا۔ بھلا وہ بات کا دھنی اپنے ارادہ سے کب باز آنے کو تھا۔ کردوں سے فراغت پا کر اس نے فوراً قسطنطنیہ کو آزاد کرانے کے لئے ہر ممکن جدوجہد شروع کر دی۔ انگورا کے سپاہیوں نے اسمید پر جہاں انگریزی فوجیں مقیم تھیں دھاوا بول دیا اور ان کو دھکیلتے ہوئے بحیرہ مارمورا کی جانب لے گئے مصطفے کمال نے اس زور سے حملہ کیا گویا کہ وہ بجلی کی ایک رو تھی جس کے سامنے کھڑا رہنا ناممکن تھا۔ انگریزوں نے ساحل باسفورس پر آ کر دم لیا۔ اور اس تیزی سے اتحادیوں کے جہازوں۔ ہائی کمشنرز کے دفتروں اور شہر پر گولہ باری شروع کی کہ اتحادیوں کا دماغ چکرا گیا۔ دو دن تک مصطفی کمال کے لشکر گولہ باری کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ انگورا کے لشکر قسطنطنیہ کے لوگوں کا خیر مقدم کر رہے ہیں قسطنطنیہ کے یورپین حصہ پر افسردگی اور دہشت چھائی ہوئی تھی مگر استنبول کے لوگ خوشی کے مارے اپنے جاموں میں پھولے نہ سماتے تھے۔ اتحادیوں کی فوجوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا اور السلطنت کے مغرب کی سمت سے

جعفری پاشا نے جنہوں نے مشرقی تھریس میں قومی تحریک شروع کی ہوئی تھی۔ حملہ کر دیا ۔

قسطنطنیہ میں اتحادیوں کی حالت نہایت دگرگوں ہو گئی مسٹر لائیڈ جارج اور کرزن گردن جھکائے پریشان تھے کہ کیا کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ ہر جگہ معیبت اور ہزیمت کا سامنا تھا۔ کریمیا میں روسیوں نے جرنیل رینگل کو اس قدر شکستیں دی تھیں کہ انگلستان کا اقتدار خطرہ میں تھا روسیوں نے ایران میں انگریزوں کا اثر ختم کر ڈالا تھا۔ اور لارڈ کرزن کی تمام تجاویز اور ہوائی قلعے مسمار ہو چکے تھے۔ روسی اور ترک ہندوستان پر حملہ کے لئے ساز باز کر رہے تھے۔ ہندوستان اور مصر میں فضا اچھی نہ تھی۔ وہ اپنے لئے آزادی طلب کر رہے تھے۔ آئرلینڈ آزادی کے لئے کشمکش کر رہا تھا اور انگلستان کی سب فوجیں وہاں مصروف تھیں۔ انگریزی قوم تھک کر چور ہو چکی تھی اس لئے وہ ہرگز ترکوں کے خلاف اور لڑائی کے لئے تیار نہ تھے ۔

پیرس میں بھی حالات اس سے بہتر نہ تھے۔ مصطفےٰ کمال نے گلیکا میں فرانسیسوں کو وہ شکستیں دی تھیں کہ وہ سخت گھبرا گئے تھے شام میں عرب اپنی بے وقوفی اور امیر فیصل کی غداری پر نالاں تھے اس لئے فرانسیسوں کا روپیہ وہاں پانی کی طرح خرچ ہو رہا تھا۔ افریقہ اور رائن میں فرانسیسیوں کو سخت تکلیف کا سامنا تھا۔ اس لئے ان واقعات سے عاجز آ کر انہوں نے "باغی ڈاکو اور چور" کے آگے خفیہ طور پر دست سوال دراز کیا کہ وہ ان سے

صلح کرلیں۔ موسیو فرینک بلان اس غرض کے لئے انگورا بھیجے گئے۔ اور کمال پاشا سے دوستی کا فخر حاصل کرنا ازبس ضروری اور لازمی سمجھا گیا۔

دغاباز وینیزلاس موقعہ کی تلاش میں تھا۔ اور سمرنا میں فوجیں جمع کر رہا تھا۔ اس نے چالاکی سے لائڈ جارج کو یقین دلادیا کہ اُن کے درد کی دوا اس کے پاس موجود ہے۔ اور وہ مصطفےٰ کمال کے مقابلہ کے لئے کیل کانٹا سے لیس ہے بشرطیکہ اسے اناطولیہ سے کچھ علاقہ معاوضہ میں دیا جائے ہاتیھہ کانفرنس میں تمام شرائط طے پائیں اور فیلڈ مارشل فاک نے عہدنامہ پر دستخط ثبت کئے قرار پایا کہ پورا انگریزی بیڑا یونان کی امداد کرے۔ یونان بے شک تمام تھریس پر قبضہ کرکے لڑائی کو شروع کرے۔ فرانسیسوں نے بھی خفیہ طور پر پھر امداد کا وعدہ کیا تاکہ کلیکا میں ان کے تسلط کی کوئی صورت پھر نکل آئے۔

انگریزوں کا جنگی بیڑا بحیرۂ روم میں جمع ہوا بائیں جون ۱۹۲۰ء کو یونانی فوجوں نے سمرنا سے نکلنا شروع کیا۔ ترکوں نے بھی ان حالات و کوائف کا مطالعہ کرکے اپنے علاقہ ولیسٹرن فرنٹ کی خوب حفاظت کر رکھی تھی علی فواد پاشا سپہ سالار مقرر تھے۔ ترکوں کی فوجوں کی اکثریت مشرق میں تھی اور وہاں کا فاصلہ چھ سو میل سے زاید تھا۔ ترک گذشتہ پندرہ سال سے متواتر لڑ رہے تھے اس لئے ان کی حالت تسلی بخش نہ تھی۔ یونانی فوجوں کی تعداد ترکی فوج سے بہت زیادہ تھی۔ ان کے پاس سامان حرب جو فرانسیسوں اور انگریزوں نے انہیں دیا تھا عمدہ اور بکثرت تھا۔ ان کے فوجی افسر تجربہ کار

انگریز جرنیل تھے۔ بظاہر ترکوں کو ان کے مقابلہ میں کامیابی کی بہت کم امید تھی ۔

اُس وقت یونانیوں کی ایک جرار فوج تھریس میں داخل ہوئی۔ اور ترک فوج پر دھاوا بول دیا۔ جعفر پاشا معہ دیگر افسران گرفتار ہوئے ۔

اناطولیہ میں یونانیوں نے بروسا فتح کر لیا۔ انگریزی فوجیں باقاعدہ طور پر نقل و حرکت کر کے شطرنجی چالیں چل رہی تھیں اور یونانیوں کی سرگرم امداد کر رہی تھیں ترکوں کو سخت شکست ہوئی۔ اور اتحادیوں نے جان لیا۔ کہ واقعی مصطفےٰ کمال کی طاقت ایسی نہ تھی جس سے وہ لرز رہے تھے ۔

انگورا میں ایک ہیجان مچا ہُوا تھا۔ لوگ علی فواد پاشا اور بکر سمی بے کے سخت مخالف تھے کہ ان کی وجہ سے شکستیں ہوئی ہیں فرانس کے انقلاب کی طرح لوگ بضد تھے کہ افسروں پر باقاعدہ مقدمات دائر کئے جاویں مصطفےٰ کمال نے اپنی فصاحت و بلاغت سے کام لے کر لوگوں کو سمجھا بجھا کر راضی کر ہی لیا۔ اور ان کی تسکین کر دی۔ ابھی انگورا والوں کی کشمکش سلطان کی فوجوں سے جاری تھی کہ یونان نے ترکوں پر حملہ کر دیا۔ اور تمام صوبجات پر جو قسطنطنیہ تک پھیلے ہوئے تھے قبضہ جما لیا ۔

مصطفےٰ کمال نے علی فواد پاشا کو اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ وہ اپنی کمانڈ سے مستعفی ہو جائیں۔ اور استعفا کے بعد انہیں ایک وفد کے ہمراہ ماسکو بھیج دیا۔ ان کی جگہ عصمت پاشا کو ویسٹرن فرنٹ کی کمانڈ سپرد کی گئی ۔

انگلستان کی سرکردگی میں ارمنیوں کی سلطنت کی بنیاد اروان میں ڈالی گئی۔ اس سلطنت کا دارالسلطنت کارس مقرر کیا گیا۔ عہد نامہ میں اس سلطنت کو منظور کرانے کا تہیہ کیا گیا تھا۔ اور اس کا علاقہ تمام مشرقی ترکی۔ بحیرہ اسود سے لے کر خلیج فارس تک مقرر تھا۔ یہ مراحل طے پا رہے تھے کہ ایران میں انگریزوں کے خلاف بہت بھاری کشمکش شروع ہو گئی۔ ان کی تمام تجاویز اکارت رہ گئیں۔ اور ان کو تمام افواج وہاں سے نکالنی پڑیں اور بیچارے ارمنی بغیر کسی کے سہارے کے بے دست و پارہ گئے۔

اس علاقہ کو قبضہ میں رکھنے کے لئے ارمنی ایک سال تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے رہے۔ ارمنیوں نے اپنے علاقہ میں ترکوں کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ جس کی وجہ سے انگورا حکومت اس ارمنی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر مجبور ہو گئی۔

کاظم کاربکر پاشا نے ایک فوج لے کر ارمنیوں پر چڑھائی کی اور ان کا کچومر نکال ڈالا۔ کاظم پاشا نے ارمنی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور ارمنی سلطنت کا خواب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اس لڑائی کی رو سے ترکوں کے ہاتھ وہ علاقہ لگا جو انہوں نے ۱۸۷۷ء میں روسیوں سے شکست کھا کر ان کے حوالے کر دیا تھا۔

اس لڑائی سے ترکوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کے ہاتھ وہ علاقے لگے جو عرصہ دراز سے ان کے قبضہ و اقتدار سے نکل چکے تھے۔ عہد نامہ سیورے کا خاتمہ ہونا شروع ہو گیا۔ انگورا گورنمنٹ پر عقب سے حملہ کا احتمال

جاتا رہا اور روس کے ساتھ مصطفےٰ کمال کے تعلقات قائم ہو کر استوار ہو گئے۔

روس سمجھ چکا تھا کہ اتحادی روس کی جدوجہد ختم کرنے کے لئے ہر حیلہ سے کام لے رہے ہیں اس لئے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ ٹرکی کے ساتھ جس قدر بھی تعلقات مضبوط ہوں گے جانبین کی بہتری کا باعث ہوں گے۔ روس نے تہیہ کر لیا کہ درہ دانیال اور آبنائے کو جس طرح بھی ممکن ہو اتحادی قبضہ سے آزاد کرایا جائے۔ اس نے سامان حرب کے علاوہ کروڑوں روپیہ مصطفےٰ کمال کو قوم کی زندگی اور اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے پیش کئے۔ انگورا کی عجیب حالت تھی۔ روس نے اسے اپنے پنجہ میں لینے کے لئے تمام ترکیبیں کیں۔ مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس شیدائی وطن نے اس عالی حوصلگی اور عقلمندی سے کام لیا کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔ ترکی دنیا بھر میں ایک ایسا ملک ہے جہاں روس اپنا پروپیگنڈا کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔

اتحادیوں نے سلطان المعظم کو چھ ماہ کی مہلت دی کہ وہ تمام ملک سے صلح کی شرائط جو سیورے میں طے پائی تھیں منظور کرا دیں گے۔ اصل مطلب یہ تھا کہ کسی طور پر انگورا کی حکومت کے دستخط عہدنامہ پر ثبت کرا دئے جائیں مگر یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا کہ سلطان المعظم نے خیال کیا تھا۔ وہ فوجیں جو سلطان المعظم نے باغی مصطفےٰ کمال کی سرکوبی کے لئے اناطولیہ میں بھیجی تھیں وہ بھاگ کر باغی سے جا ملی تھیں اور اس کے جھنڈے تلے سلطان کے خلاف لڑنا اپنے مذہب کا جزو لاینفک خیال کرتی تھیں

آخر جب کچھ پیش نہ چلی تو سلطان وحید الدین نے صالح پاشا اور عزت پاشا کو مصطفٰے کمال کے پاس اس غرض کے لئے بھیجا کہ وہ صلح کے متعلق گفت وشنید کریں۔ ہر دو اصحاب مصطفٰے کمال کو ایک مقام دبیدل پر ملے جو کہ ریلوے اسٹیشن ہے اور اسمید اور اسکیسر کے مابین واقع ہے۔ اس ملاقات سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہُوا۔ مصطفٰے کمال قطعی طور پر بضد تھے کہ "آزاد ٹرکی کے سوا وہ کسی موضوع پر گفتگو نہ کرینگے وہ برملا کہتے تھے۔ کہ بادشاہ اتحادیوں کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں۔ اور ہم قطعی طور پر جب تک کہ اتحادی ٹرکی کی ایک انچ زمین پر بھی قابض ہیں کسی قسم کی گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں۔ مصطفٰے کمال نے شرط پیش کی کہ سلطان المعظم انگورا کی حکومت کو منظور کرلیں اور کسی قسم کی گفت وشنید اتحادیوں سے نہ کریں۔ مگر یہ سلطان المعظم کو کیسے منظور ہو سکتا تھا۔ آخر جب مایوس ہو کر ان کے سفیر واپس جانے لگے تو انہیں ایک گاڑی میں سوار کرا دیا گیا۔ مگر گاڑی بجائے استنبول پہنچنے کے انگورا جا ٹھہری مصطفٰے کمال لکھتے ہیں "میں برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ کہ عزت پاشا کے دل ودماغ کا انسان قسطنطنیہ میں رہے۔ اور سلطان اس کی قابلیت سے فائدہ اٹھائے"

سنہ ۱۹۲۰ء میں پریذیڈنٹ ولسن کو شکست فاش ہوئی۔ امریکن لوگوں نے وضاحت کے ساتھ فیصلہ کر دیا کہ وہ مغربی اور مشرقی معاملات میں دخل نہ دیں گے۔ اس لئے ترکوں کو بہت حد تک ان

واقعات سے مدد ملی۔ وینزلاس یونان میں پھر برسرِ اقتدار ہو گئے۔ الگزنڈر
بادشاہ یونان کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی بجائے کانسٹائن تخت پر
جلوہ افروز تھے۔ نہایت جدوجہد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ لنڈن میں
یونان اور ترکوں کے نمائندوں کے روبرو ایک کانفرنس منعقد کی جائے
اور اس میں یونان و ٹرکی کی گتھی کو سلجھانے کے لئے ممکن کوشش و سعی
سے کام لیا جائے"۔

آخر کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہوا اور یہ طے پایا کہ مصطفےٰ کمال کے نمائندے اس کانفرنس میں شمولیت کریں گے" باغی اور ڈاکو" لندن اور پیرس کے مدبروں کو کافی سے زیادہ تکلیف دے رہا تھا اور اب وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اس کی شمولیت کے بغیر دنیا میں امن قائم رہنا ناممکن ہے روس کے ساتھ ٹرکی کا اتحاد دن بدن خوفناک صورت اختیار کر رہا تھا اور انگلستان اس امر سے لرزاں تھا کہ روس ہندوستان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ شخص جو کسی وقت ڈاکو۔ قاتل اور چور سمجھا جاتا تھا۔ اب نہایت اعلیٰ درجہ کا مدبر اور نہایت قابل جرنیل مانا گیا۔ اس نے عرصہ قلیل میں اپنے ملک کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر کے ایک نمایاں تغیر پیدا کر دیا تھا۔ وہ بلاشبہ ملک کا سردار تھا۔ اور سب سے زیادہ ہر دلعزیز خیال کیا جاتا تھا۔ اس نے افواج کی وہ تنظیم و ترتیب کی تھی کہ یورپ حیران تھا کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ اس نے کلیکیا میں فرانسیسیوں کے وہ دانت کھٹے کئے تھے کہ وہ بھنّا سا گیا۔

یونانیوں نے اتحادیوں میں نفاق کا بیج ڈالا تھا۔ انگریز چاہتے

تھے کہ ان کے سایۂ عاطفت میں ایک بہت بڑی یونانی سلطنت قائم ہو جائے مگر دوسرے اتحادی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چونکہ اس باغی جرنیل پر قابو پانا ناممکن خیال کیا گیا تھا۔ اس لئے یہ صلاح ٹھیری کہ معاہدۂ سیورے کی چند شرائط بدل کر اسے پنجہ میں گرفتار کیا جائے۔

استنبول کی حکومت اپنے آخری لمحوں پر تھی۔ اس لئے بڈھے وزیر اعظم توفیق پاشا نے مصطفٰے کمال سے درخواست کی کہ قسطنطنیہ سے جو جو نمائندے بھیجے جائیں گے وہ ان کی مرضی سے چنے جائیں گے۔ اس لئے ان کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں نامزد کر دیں۔ مگر مصطفٰے کمال کو یہ تجویز پسند نہ آئی انھوں نے لکھا کہ اب علیحدہ علیحدہ نمائندے بھیجنے کا وقت نہیں قسطنطنیہ والوں کو چاہیئے کہ اب ہم سے ایک جان ہوکر یورپ کا مقابلہ کریں اور بتلا دیں کہ ہم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اصل میں ملک کی حکومت انگورا میں ہے اس لئے نمائندے صرف انگورا سے جائینگے۔ نیز سلطان المعظم کو واجب ہے کہ ٹرکی نسل قومیت اور ملت کی خاطر نیشنل اسمبلی آف انگورا کی بنا کو تسلیم کریں اور اسے ملک کی اصلی حکومت تصور کریں۔ اگر سلطان المعظم نے ہماری نصیحت اور ہدایت پر عمل نہ کیا تو ہم ڈنکے کی چوٹ بتلائے دیتے ہیں کہ ٹرکی ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا اور اس کی ذمہ داری محض سلطان پر ہوگی۔ ہم جانتے ہیں کہ لندن کی کانفرنس محض ایک بہانہ ہے اور یونان اور ٹرکی کے درمیان ایک مہیب جنگ کا پیش خیمہ ہے۔ اگر خلیفۃ المسلمین نے اب بھی ہماری باتوں پر کان نہ دھرا تو وہ یقین رکھیں کہ عنقریب خاندان عثمانیہ

ہمیشہ کے لئے دنیا سے ختم ہو جائے گا"۔

سلطان نے اس کی ہر چند مخالفت کی مگر قوم نے متفقہ ہو کر انگورا کی حکومت کو ملک کی اصلی حکومت مان لیا۔ بیس جنوری ۱۹۲۱ء کو انگورا کی حکومت پوشیدہ طور پر ملک کی حکومت قرار پائی مگر تاہم سلطان المعظم نے اپنا علیحدہ نمائندہ انگلستان کو روانہ کیا۔ یونان خوش تھا کہ علیحدہ علیحدہ نمائندے آپس میں لڑتے بھڑتے رہینگے اور ضمناً اس کا کام بن جائے گا۔ مگر یونان کی ندامت اور مایوسی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا جب کانفرنس کے دوسرے دن ان نمائندوں میں موافقت ہو گئی۔ وزیر اعظم توفیق پاشا نمائندہ استنبول کھڑے ہوئے اور کہا "میں نہایت ادب سے درخواست کرتا ہوں کہ ہماری طرف سے جواب میرے معزز رفیق اور بھائی بکرسمی بے جو انگورا کے نمائندہ ہیں دیں گے۔ وہ کانفرنس میں ہمارے بھی نمائندہ تصور کئے جائیں"۔

مسٹر لائیڈ جارج۔ موسیو بریان اور کونٹ سیفروزا نے کہا کہ اس کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ لڑائی کا خاتمہ کیا جائے اور دو لڑتی ہوئی قوموں کے مابین صلح کرائی جائے ہم عہدنامہ کی بعض شرائط میں ردو بدل کرنے کے لئے بھی تیار ہیں۔

ترکوں کے لئے زہر کی گولی پر نہایت عمدہ شکر چڑھائی گئی مگر وہ خوب جانتے تھے کہ گولی کن کن اجزا کی بنی ہوئی ہے اس لئے اب وہ اسے کھانے سے قطعی طور پر منکر تھے۔ قرار پایا کہ اگر ترک صلح کی شرائط مان لیں

تو ایک تحقیقاتی کمشن اس غرض وغایت کے لئے مقرر کیا جائے کہ سمرنا کی آبادی کے متعلق وہ تحقیقات کرکے رپورٹ کرے کہ آیا ترک زیادہ ہیں یا یونانی ترکوں نے کمشن کی تقرری کو قبول کر لیا مگر صلح کی شرائط کے متعلق خاموش رہے۔ یونان نے صاف انکار کر دیا کہ وہ سمرنا واپس دینے کے لئے تیار نہیں۔

فروری ۱۹۲۱ء میں لندن کی کانفرنس کو ناکامی ہوئی مگر دنیا کی آنکھوں میں انگورا والوں کی نیک نیتی کی ساکھ بندھ گئی۔ انہوں نے ہر تجویز پر لبیک کہا۔ مگر یونان نے مخالفت کی۔ فرانس نے بکر سمی بے سے علیحدہ طور پر عہدنامہ کر لیا اور گلیکا کو خالی کر دینے کا حتمی وعدہ کر لیا۔ اس کے عوض بکر سمی بے نے وعدہ کیا کہ وہ کچھ تجارتی حقوق انہیں ترکی میں لے دے گا۔ جب یہ معاہدہ مصطفےٰ کمال کے روبرو دستخطوں کے لئے پیش کیا تو انہوں نے اسے اس بنا پر مسترد کر دیا کہ ہمارے زوال کا باعث یہی ہے کہ ہم نے تجارتی حقوق دیگر قوموں کو دے رکھے تھے۔ آئندہ ٹرکی اپنی تجارت کی خود دیکھ بھال کرے گا۔ بکر سمی بے نے اس بات سے بگڑ کر استعفا دے دیا اور مخالف پارٹی میں شامل ہو گئے۔ فرانس کو اس کے متعلق صاف جواب دیا گیا کہ نمائندہ کو ایسی صلح کرنے کا حق حاصل نہ تھا اس لئے ہم معذرت چاہتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یونانیوں نے ایشیائے کوچک میں اتحادیوں کی از حد مدد کی تھی وہ انہیں ایشیائے کوچک میں اس نقطہ نگاہ کو مد نظر رکھتے ہوئے لائے تھے کہ ان کی مدد سے وہ ترکوں کو کچلنے میں کامیاب ہو گئے۔

فرانسیسوں نے اس امر کی پرواہ نہ کی کہ مصطفےٰ کمال نے ان کے تجارتی حقوق کو مسترد کر دیا ہے بلکہ انہوں نے وعدے کے مطابق گلیکا کا علاقہ خالی کر دیا۔ ترکی فوجیں وہاں سے فارغ ہو کر واپس پہنچ گئیں۔ یونان کے خلاف دن بدن ٹرکی میں نفرت بڑھ رہی تھی اور جو وقت ترکوں کو مل رہا تھا۔ ان کے لئے غنیمت تھا۔ روس سے سامان حرب بہت زیادہ آچکا تھا۔ یونانیوں نے موقعہ کی نزاکت کو جان کر بڑھنا شروع کر دیا اور اتحادیوں سے اجازت لینے کی بھی پرواہ نہ کی۔ ابھی تک معیاد مقررہ ختم نہ ہوئی تھی۔ جو فریقین کو غور وخوض کے لئے ملی تھی کہ یونانیوں نے دھاوا بول دیا۔ دنیا کی نظروں میں یونان کی یہ حرکت نہایت نازیبا وکمینہ خیال کی گئی کہ بغیر خبر یا الٹیمیٹم کے یونانیوں نے حملہ کر دیا ہے۔

دونوں قوموں کے مابین اس طور پر خطرناک مہیب جنگ چھڑ گئی کہ دنیا نے ایسا خوفناک منظر نہیں دیکھا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ گویا کہ دنیا میں صرف ایک قوم کے لئے جگہ ہے اور دونوں قوموں کی بقا یکساں طور پر ناممکن ہے۔

یونانیوں میں پرانا صلیبی جنگوں کا جذبہ بھرا ہوا تھا۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ تمام یورپ کی خاطر یہ مصائب اٹھا رہے ہیں۔ وہ عزم بالجزم کر چکے تھے کہ یوروپ کی تہذیب وہ ایشیائے کوچک میں پھیلا دیں گے۔ اور جب ترکوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔ تو پھر دم لیں گے۔ ان کے سروں میں

استنبول کا سودا تھا کہ کانسٹنٹائن کے سر پر ان کا صلیبی پھریرا پھر لہرائے گا۔ وہ ملکہ صوفیا کے گرجا میں پھر باپ بیٹے اور روح القدس کے پرچار کا تہیہ کر چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ پرانے وقتوں کے یونانیوں اور ایرانیوں کی لڑائی کا دور دورہ ہے۔ اُدھر ترک محسوس کرتے تھے کہ ان کی خطا صرف اس قدر ہے کہ وہ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا قصور صرف اس قدر ہے کہ وہ خدائے واحد کی بغیر کسی شریک کے پرستش کرتے ہیں۔ وہ تاڑ چکے تھے کہ ان کی رگوں میں ایشیائی خون کا ہونا جرم عظیم ہے اور ان کے ماتھوں پر کلنک کا ٹیکا تھا کہ وہ ایشیا کے رہنے والے ہیں۔ ان کو احساس آ چکا تھا کہ یورپ انہیں دنیا سے مٹا دینے پر تلا ہوا ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ یہ لڑائی زندگی اور موت کی لڑائی ہے۔ ان کی دُور بین آنکھیں مظاہرہ دیکھ رہی تھیں کہ ننھے بچے موت کے گھاٹ اتارے جائیں گے۔ ان کی عورتیں بیسوا بنائی جائیں گی۔ ان کا مال و اسباب لوٹا جائے گا۔ ان کے مکان جلائے جائیں گے اور ان کے مردوں کو لعنت اور پھٹکار کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس طور پر "بیمار یورپ" سے یورپ انتقام لینے میں کامیاب ہو گا۔

سنہ ۱۹۲۱ء کے موسم بہار میں یونانیوں نے بغیر کسی خبر کے جرنیل پاپولوس کی زیر نگرانی ترکوں پر حملہ کیا۔ بادشاہ قسطنطین ہمراہ تھے۔ ان کا مدعا تھا کہ مشرقی اور جنوبی اناطولیہ ریلوے پر قبضہ کر کے ترکوں کا گلا گھونٹ ڈالیں۔

یونانی افواج کے جنوبی حصے نے دملوپنار پر گولہ باری شروع کر دی رفعت پاشا کو جو وہاں کے کمانڈر تھے پیچھے ہٹنا پڑا۔ شمالی حصہ پر مڈبھیڑ عصمت پاشا سے ہوئی جو انگورا گورنمنٹ کے ایک نہایت قابل جرار فیلڈ مارشل تھے یونانیوں نے تین بار ان کی افواج پر حملہ کیا مگر تینوں بار انہیں شکستیں ہوئیں۔ انانیج پر جو اسکسیر کے شمال مغرب کی طرف واقع ہے اور پہلے ترکی سلطان عثمان کی اقامت گاہ تھا یونانیوں کو سخت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ایوم اور کریکر جن پر یونانیوں نے ابتدا میں قبضہ کر لیا تھا انہیں خالی کرنے پڑے یونانی اور ترک دونو تھکے ہوئے تھے اس لئے کچھ وقت تک لڑائی معرض التوا میں پڑ گئی۔

اس اثنا میں رفعت پاشا کو بعض فوجی الزامات کی بنا پر موقوف کیا گیا اور ان کی بجائے عصمت پاشا تمام ویسٹرن فرنٹ کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔

دول یوروپ نے جو خود تھک کر چکنا چور ہو چکی تھیں محض تماشا دیکھنے پر اکتفا کی۔ البتہ بعض طاقتوں نے یونانیوں کو سامان حرب اور روپیہ فراہم پہنچانے میں نہایت فیاضی سے کام لیا۔

فرانس نے موسیو فرینکلن بولان کو انگورا بھیج کر ترکوں سے دائمی صلح قائم کر لی۔ اٹلی نے اس خیال سے کہ وہ فرانس کے پیچھے نہ رہ جائے رو پلیا سے فوراً دست بردار ہو گیا۔ اور انگورا سے صلح کی گفت و شنید شروع کر دی۔ ایشیائے کوچک سے اپنی تمام افواج واپس بلا لیں۔

ان دشمنوں کے علاوہ مصطفےٰ کمال کو پارلیمنٹ میں اپنے ہم ملکوں کا

مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ ان میں سے کئی ایک قطعی طور پر ان کے مخالف تھے اور سلطان المعظم کے طرفدار۔ وہ کئی کئی چالیں چلتے۔ مگر وہ مرد مجاہد اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا مگر نہایت نرمی سے ان کی مدافعت کرتا۔ ایک پارٹی بکر سمی بے کی سرکردگی میں مصطفیٰ کمال کی مخالفت کرتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی طور پر فوراً صلح ہو جائے۔ مگر مصطفیٰ کمال اپنے پرانے اصول پر کاربند تھے کہ جب تک ٹرکی کی ایک انچ زمین پر مخالفین کا قبضہ ہے صلح ناممکن ہے۔

کاظم کاربکر پاشا جو ایک نہایت ہر دل عزیز جرنیل تھے مصر تھے کہ سلطان المعظم کی خلافت بدستور بحال رہے اور ان کے نام کا خطبہ باقاعدہ طور پر پڑھا جائے۔ مصطفیٰ کمال کو اس میں اعتراض تھا کہ جب تک خلیفۃ المسلمین انگورا تشریف نہ لے آئیں اور قرآن پر حلف نہ دیں کہ وہ باہر کی سلطنتوں سے ملک و ملت کے خلاف کسی قسم کی ریشہ دوانی نہ کریں گے ان کی خلافت اور خطبہ محض بے کار ہیں۔ مصطفیٰ کمال نے نہایت عقلمندی سے کاظم کاربکر پاشا کو اس امر پر رضامند کر لیا کہ جب تک یونان کا خطرہ ٹل نہ جاوے اس امر کو نہ چھیڑا جائے۔ آئین میں کوئی ایسی شق نہیں ہے جس کی رو سے سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین کی خلافت کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ آخر ملک قوم کا ہے۔ اور قوم کی مرضی ہر معاملے میں مقدم ہے۔ اس لئے کوئی ایسی بات نہ ہونی چاہیئے جو قوم اور ملک کے لئے باعث خطرہ ہو۔ چونکہ کاظم کاربکر پاشا نہایت نیک نیت تھے۔ اس لئے انہیں مصطفیٰ کمال کی یہ رائے پسند آئی اور وہ خاموش ہو رہے۔

جب اس شیدائی وطن کی جان ان مخمصوں میں پھنسی ہوئی تھی تو ایک اور بلائے عظیم کا سامنا ہوا یعنی ایک ہندوستانی مصطفے صغیر نامی انگورا میں آدھمکے انگورا کی پولیس کو ان کے آنے کی غرض و غایت کا پہلے ہی سے پتہ چل چکا تھا مگر وہ ارادتاً خاموش رہی۔ مصطفے صغیر نے یہ ظاہر کیا کہ وہ خلافت کمیٹی کا نمائندہ ہے اور دس لاکھ پونڈ ترکوں کو پہنچانے کے لئے آیا ہے۔ دس لاکھ پونڈ عنقریب انگورا پہنچ جائیں گے۔ ترکوں نے ظاہرا طور پر ان کا نہایت احترام کیا۔ اور بطور شاہی مہمان کے انہیں ٹھہرا لیا۔ مگر پولیس ان کی خط و کتابت کی جانچ پڑتال کرتی رہی۔ ان کے کئی ایک خط انگورا پولیس کو دستیاب ہوئے جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ انگریزی خفیہ پولیس کا ممبر ہے۔ وہ کچھ وقت انگورا میں مقیم رہا اور مصطفے کمال سے شرف باریابی چاہی۔ مقررہ وقت پر وہ مقام متعینہ پر آپہنچا۔ جب وہ اس کمرہ میں پہنچا تو اس نے پتلون کی جیب سے ریوالور نکال کر چلایا۔ مصطفے کمال کی بجائے وہاں ایک اور شخص بیٹھے تھے جو صاف بچ گئے۔ چونکہ حکومت کو اس تمام ماجرا کا حال معلوم تھا۔ اس لئے کسی اس قسم کی خطا کی گنجائش کا نشانہ خطا ہونا ضروری تھا۔ پولیس نے انہیں فوراً حراست میں لے لیا۔ انہوں نے جرم کا اقبال کیا۔ اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کے بیان کو حرف بحرف یہاں نقل کر دیں۔

"میں ایک معزز شریف ہندوستانی مسلمان خاندان کا فرد ہوں۔ ہم بنارس کے رہنے والے ہیں۔ میں جب دس برس کا تھا تو مجھے انگلستان تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ جب سے تمام مسلمانوں کی ذمہ دار سلطنت [illegible] تھی میں نے

آکسفورڈ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس معاوضہ کے عوض میں میں نے قرآن پر حلف لیا تھا کہ میں انگلستان کے لئے اپنی جان قربان کر دوں گا۔ مجھے شاہی خرچ پر تمام دنیا کی سیر کرائی گئی اور کچھ وقت ہائیڈل برگ کے دارالعلوم میں ہندوستانی طلباء کی جاسوسی کے لئے مقرر کیا گیا پھر مجھے بطور ملازم مصر اور افغانستان میں بھیجا گیا۔ کچھ وقت بطور سفیر ایران میں کام کرتا رہا۔ اور دوران جنگ عظیم سوئٹزرلینڈ میں بطور جاسوس خدمت انجام دیتا رہا۔

عارضی صلح کے بعد مجھے قسطنطنیہ میں متعین کیا گیا۔ سلطان وحیدالدین اور وزیر اعظم داماد فرید پاشا کو میرے مشن کا حال معلوم تھا اور وہ میری اسکیم کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ مجھے انگورا انگریزی خفیہ پولیس نے بھیجا تھا۔ کہ میں مصطفےٰ کمال کا کام تمام کر دوں۔ مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اس کام کے عوض پندرہ لاکھ روپیہ کا گراں بہا عطیہ مجھے پیش کیا جائے گا۔"

عدالت نے سوال کیا کہ تمہیں خاص طور پر کیوں اس کام کے لئے چنا گیا تھا"۔

"اس لئے کہ اس سے قبل میں امیر افغانستان کو قتل کرنے میں کامیاب ہوا تھا"۔

اسے پھانسی کی سزا دی گئی۔ جب مصطفےٰ کمال کو یہ بتلایا گیا کہ اس کے سر کی قیمت پندرہ لاکھ روپیہ تھی تو وہ ہنسے اور کہنے لگے "واللہ میں نے تو کبھی اپنی جان کو اس قدر قیمتی نہیں سمجھا"۔

اس اثنا میں یونانیوں نے اپنی فوجوں کو جمع کرکے ان کی خوب ترتیب و تنظیم کرلی تھی اٹھارہ سال سے اوپر کے تمام نوجوان جبری بھرتی سے میدان کارزار میں لائے گئے۔ یونانی عورتوں نے تمام زیورات تک اس مد میں مدد کے لئے پیش کئے۔

بارہ جولائی کو جب کہ گرمی شدت سے پڑ رہی تھی۔ یونانیوں کی مغرور سپاہ نے پھر کشمکش شروع کردی۔ جب وہ شرق کی طرف بڑھے تو ان کی مٹ بھیڑ ترکوں کے لشکر سے ہوئی اسکیر پر دس یوم تک مقابلہ ہوتا رہا عصمت پاشا اس امر کے معترف تھے کہ یونانیوں کی افواج ان سے زیادہ اعلیٰ اور مضبوط ہے۔ یونانیوں نے افیوتا اور اسکیسر پر قبضہ کرلیا۔ ترکوں کے لئے مصائب کا سامنا تھا۔ عصمت پاشا اور اس کے جرنیلوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ جب تک جان میں جان ہے وہ مقابلہ کریں گے۔ جب ان شکستوں کا مصطفےٰ کمال کو پتہ چلا تو وہ بنفس نفیس میدان کارزار میں آ پہنچے۔ انہوں نے آکر حالات کا اندازہ لگایا اور حکم دیا کہ فوجیں اسکیسر کے مشرق کی طرف بھاگنا شروع کردیں یونانیوں نے سمجھا کہ میدان مار لیا۔ وہ ان کے تعاقب میں نکلے۔ پہاڑ کی آڑ میں ترکوں نے درے بند کر رکھے تھے۔ جب یونانیوں کی فوجیں وہاں پہنچیں تو ترکوں نے اس طور پر ان کو وہاں محصور کرلیا کہ پچاس ہزار میں سے بیس ہزار بھوک اور وبا کا شکار ہوئے اور باقیوں نے محصور ہو کر ہتھیار ڈال دئے۔

یونانیوں نے اس مہم کی ناکامی کی بھی چنداں پرواہ نہ کی اور پھر فوج سمیٹ کر لڑائی کے لئے ہمت کرکے سینہ سپر ہو گئے انگورا میں مایوسی کی لہر

دوڑ رہی تھی۔ لوگ حیران اور پریشان تھے۔ ہزاروں آدمی عورتیں اور بچے ہر روز یونانیوں کے ظلم وستم سے بھاگ بھاگ کر انگورہ پہنچ رہے تھے۔ پارلیمنٹ میں بے صبری کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ہر روز زور ڈالا جاتا تھا کہ کچھ علاقہ دے کر یونانیوں سے صلح کر لی جائے۔ مگر وہ مرد میدان اس بات کے سخت مخالف تھا اور کہتا "پہلے مجھے گولی کا نشانہ بنا لو اس کے بعد جن شرائط پر چاہو صلح کر لینا"۔

ایک دن نہایت سوچ بچار میں مصطفےٰ کمال نقشہ پر غور کر رہے تھے۔ ان کے بشرہ پر مایوسی اور غم چھایا تھا۔ وہ آٹھ گھنٹے متواتر ایک جگہ بغیر حرکت کئے بیٹھے رہے۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ دفعتہً انہوں نے سر اٹھایا تسبیح کو نقشہ پر پھینک دیا اور چلا اٹھے "اشرف المخلوقات کے پاؤں کی خاک کی قسم میدان مار لیا۔ میدان مار لیا۔ میں چار ہفتہ کے اندر یونانیوں کو خاک میں ملا دوں گا۔ اور ان ناپاک ہستیوں سے ٹرکی کو ہمیشہ کے لئے صاف کر ڈالوں گا۔ تم دیکھ لینا کوئی یونانی یا ارمنی ٹرکی کے علاقہ میں نظر نہ آئے گا۔ میں ان کو ان کے کیفر کردار تک پہنچا دوں گا"۔ وہ بار بار دس منٹ تک اسی کا نعرہ لگاتے رہے۔ ان کے دوست پریشان تھے کہ ان کا دماغی توازن قائم نہیں رہا اور ان کے دشمن خوش تھے کہ آخر ایسے انقلابی آدمی کا یہ حشر ضروری تھا۔

انہوں نے پارلیمنٹ میں اعلان کر دیا کہ میں اس مہم کی سرکردگی و افواج کی سپہ سالاری آج سے اپنے ہاتھ میں لوں گا۔ بس کل کا واقعہ آپ لوگوں

کو تفصیل کے ساتھ نہیں سُنانا چاہتا مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگ یونانیوں کو شکست فاش دیں گے اور ان کے سب منصوبے ملیامیٹ کر ڈالیں گے"۔

ان لوگوں نے جنہوں نے ان کو ان ایام میں دیکھا ہے رقمطراز ہیں کہ ان کے بشرہ پر عجیب کیفیت تھی۔ ہر روز ان کے چہرے پر نمایاں تغیر واقع ہوتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ خالق اور مخلوق کے درمیان نامہ و پیام کا ایک سلسلہ جاری ہے وہ ایسی ایسی باتیں کرتے کہ سمجھنے والے قاصر رہتے اور بسا اوقات ان کے صحیح دماغ ہونے پر شک کیا جاتا۔

کمال پاشا میدان کارزار میں پھر آپہنچے۔ سپاہیوں کے دل بھڑاتے اور حب الوطنی کے موضوع پر تقریریں کرتے اور وہ سماں پیدا کر دیتے جو صلاح الدین ایوبی کے وقت موجود تھا۔ یونانیوں سے مٹ بھیڑیں ہوئیں جس میں اکثر یونانیو کو شکستیں ہوئیں۔ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ ایک روز مصطفےٰ کمال گھوڑے پر سوار کیراداغ کی پہاڑی پر چڑھ رہے تھے کہ گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا جس کی وجہ سے وہ گر گئے اور ان کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ لوگ اسے بدشگنی خیال کرنے لگے مگر وہ ذرا نہ گھبرائے۔ لوگوں نے انہیں انگورا جانے کے لئے عرض کیا۔ مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا "رسول پاک کے پاؤں کی خاک کی قسم۔ میں تمہیں ایک راز کی بات بتلاتا ہوں میرا گھوڑے سے گر کر پسلی کا ٹوٹ جانا من جانب اللہ ہے۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ جہاں میری پسلی ٹوٹی ہے وہ مقام ہے جہاں یونانیوں کی ہڈیاں ٹوٹ جائینگی اور ان کا کچومر

نکل جائے گا"۔

دوسرے ہی دن ٹوٹی ہوئی پسلی کے ساتھ وہ پھر میدان کارزار میں تشریف لے آئے۔ ان کا چہرہ زرد تھا اور ان کے تمام جسم سے نقاہت و کمزوری کے نشانات نمودار تھے۔

چوبیس اگست ۱۹۲۱ء کو کیرا داغ پر میدان کارزار گرم ہوا۔ توپوں کی آواز دل دہلائے دیتی تھی۔ یونانی اس فکر میں تھے کہ ترکوں کا تعلق انگورا سے کاٹ ڈالا جائے۔ نیزہ نیزہ سے اور تلوار تلوار سے ٹکرا رہی تھی۔ مصطفٰے کمال اس خیال میں تھے کہ دریا کو کاٹ کر اس کا رخ بدلا جائے اور یونانیوں پر سیلاب کا طوفان انڈ ڈالا جائے۔ وہ اس میں کامیاب ہوئے۔ جس سے یونانیوں کا سخت نقصان ہوا۔ لاکھوں روپیہ کا مال اور ہزاروں آدمی سیلاب میں بہ گئے۔

کیرا داغ پر لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یونانیوں کی تعداد ترکوں سے چار گنا زیادہ تھی۔ لڑائی کی آخری رات کمال دردگردہ سے سخت لاچار ہو گئے اس حالت میں بھی ٹیلیفون ہاتھ میں تھا۔ سرداروں کو ٹیلیفون کے ذریعہ ہدایات دیتے۔ درد اس قسم کا تھا کہ ان کے معالج ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ صبح کے وقت کیرا داغ پر جہاں مصطفٰے کمال گھوڑے سے گرے تھے۔ یونانیوں کو اس قسم کی شکست ہوئی کہ واقعی ان کا کچومر نکل گیا۔ ڈیڑھ لاکھ کے قریب یونانی گرفتار ہوئے۔ جرنیل پاپلوس اس طور پر بھاگے کہ یونان جا کر انہوں نے دم لیا۔ جب کمال پاشا کو اس کی خبر دی گئی تو وہ بارگاہ ایزدی میں

سربسجود ہو گئے اور حیرانی کی بات ہے کہ ان کا ورد آناً فاناً جاتا رہا۔

یونانی بری طرح پسپا ہوئے۔ راستے میں بھاگتے ہوئے انہوں نے مسلمان بچوں کو قتل کر ڈالا عورتوں کی عصمت دری کی گاؤں کے گاؤں جلا ڈالے اور وہ ظلم کئے کہ آسمان زمین ہل گئے خدا کی قدرت ہے کہ مصطفےٰ کمال نے تین ہفتہ اور ایک دن میں یونانیوں کو ترکی سے نکال دیا اور ان کی پیشین گوئی پوری ہوئی یونانیوں کو جو شکست فاش سکاریا میں ہوئی۔ اس سے یورپ کا خواب حرف باطل کی طرح مٹ گیا۔ تین سو سال کی لگی ہوئی ہوس کہ ایشیائے کوچک یورپ کے ہاتھ لگے۔ سراب نظر آنے لگا۔ سکاریا کی لڑائی نے ترکوں کی حالت کو بدل ڈالا۔ سینکڑوں سال بعد بھی اگر مورخ اناطولیہ کی تاریخ کی ورق گردانی کرے گا تو وہ احترام کے ساتھ مصطفیٰ کمال کا نام لے گا اور پڑھے گا کہ "اس شخص نے یورپ کی ہوس کا خاتمہ کر ڈالا۔ اور اپنے ملک کے نام و ناموس کو بچا لیا"۔

فتح کی خوشی میں قوم نے متفقہ ہو کر ان کی خدمت میں غازی کا خطاب پیش کیا۔ جسے انہوں نے نہایت فخر کے ساتھ قبول کیا۔

دورِ چہارم

بابِ اول

عجب کیا رب کی اس قدرت پہ گر مسلم کو حال آئے
خلافت پر زوال آئے تو ساتھ اُس کے کمال آئے
ستاروں سے بحسرت بدرِ کامل ہوا ادھر رخصت
ادھر پھر اوجِ گردوں پر نظر بن کر ہلال آئے

غازی مصطفٰے کمال پاشا اب دن بدن زیادہ ہر دلعزیز ہونے لگے لوگ ان کے جذبہ ایثار قربانی اور حب الوطنی کو قدردانی اور پیار کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ نوری پاشا نے پارلیمنٹ میں کہا حضرات آپ کو معلوم ہے کہ خداوند تعالٰی کی یہ خاص مہربانی تھی کہ اس نے ایسے آڑے وقت میں ہماری قوم کی نجات کے لئے غازی مصطفٰے کمال کو کھڑا کر دیا۔ ہمارے ملک کے حصے بخرے ہو چکے تھے۔ اتحادیوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ قسطنطنیہ یونانیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ ترکوں کو یورپ سے نکال دیا جائے۔ اناطولیہ اور ایشیائے وسطیٰ و ادنیٰ میں بھی سلطنتیں قائم کر دی جائیں۔ مسجد ایا صوفیہ کو گرجا میں تبدیل کر دیا جائے۔ موصل انگریزوں کے قبضہ میں ہو۔ اندریں حالات

ہماری حالت نہایت زبون تھی۔ ابھی تک سمرنا اور تھریس یونان کے قبضہ میں ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس قسم کے طوق لعنت سے بچنے کے لئے کسی ایک شخص پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ تقریروں اور بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اس لئے میں نہایت ادب سے تجویز کرتا ہوں کہ حضور غازی مصطفےٰ کمال پاشا مدظلہ کو ٹرکی کا ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے"

پارلیمنٹ میں کہرام مچ گیا۔ قوم نے متفق الرائے ہو کر ان کو ڈکٹیٹر مقرر کر دیا۔ غازی ممدوح نے دول یوروپ کو نوٹ بھیجے کہ اگر کوئی طاقت ٹرکی کا گلا گھونٹنے پر آمادہ ہو تو اسے ایک جنگ عظیم ایسی اور لڑائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ یونان اور سلطان نے سمجھ لیا کہ مصطفےٰ کمال اور ان کی پارٹی کسی طرح بھی کچلی نہیں جا سکتی۔ اس لئے اب ان سے کوئی اور چال چلنی چاہیئے۔ انہوں نے خیال کیا کہ ان کی پارٹی میں حسد کی آگ لگائی جائے۔ مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ سب حب الوطنی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور ان چالوں کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جاسوسوں کو جو اس مطلب کے لئے بھیجے گئے تھے۔ گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا ۰

سکاریا کی جنگ کے بعد یوروپ کو تمام موسم سرما مایوسی اور ناامیدی کو دور کرنے میں لگا۔ ۱۹۲۲ء کا موسم بہار بھی آپہنچا۔ یہ جنگ عظیم کے بعد چوتھا سال تھا۔ اور دول یوروپ کی ہوسیں ناکام رہ چکی تھیں ترکوں نے یونانیوں کو سمرنا اور تھریس سے نکالنے کا قطعی فیصلہ کر لیا

تھا۔ وہ کیل کانٹے سے درست ہو کر غازی ممدوح کے جھنڈے تلے مارنے؟ مرنے کے لئے تیار تھے گو ترکوں کی ضروریات زندگی بہت کم تھیں مگر وہ قدرتی طور پر نہایت جفاکش اور محنتی واقع ہوئے تھے۔ ان کی غذا نہایت معمولی اور سادہ تھی اس لئے وہ یونانیوں کے مقابلے میں زیادہ دیر اڑ سکتے تھے۔ ان کا لباس معمولی تھا اس لئے ان کا خرچ حکومت پر بہت کم تھا۔ سپاہیوں کے دلوں میں بھائیوں اور بہنوں کا درد تھا۔ سر میں مذہب کا سودا تھا۔ اور اس پر طرہ یہ کہ ان کا سپہ سالار ان ہی کی طرح زندگی بسر کرتا۔ وہ خود ویسے ہی کپڑے پہنتا جو دیگر سپاہیوں کا لباس تھا۔ وہ وہی غذا کھاتا جو دیگر سپاہی نوش کرتے۔ وہ معمولی سپاہیوں کی طرح کام کرتا۔ ان سے معانقہ اور مصافحہ اپنا ایمان سمجھتا۔ بیماروں کی عیادت۔ مُردوں کی تجہیز و تکفین اپنا فرض اولین خیال کرتا۔ رات کو چار گھنٹے سوتا اور باقی وقت گھوڑے پر بسر کرتا۔ سپاہی اور افسر اس کے حکم کی متابعت کرنا دینی فرض تصور کرتے۔ اور سب کے سب اس کے شیدائی اور عاشق تھے یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جو ابد الآباد تک چمکے گا کہ سپہ سالار کی وردی میں کئی ایک پیوند لگے ہوئے تھے۔

اسکاریا کی شکست کے بعد جرنیل پاپلوس نے مایوس ہو کر استعفا داخل کر دیا تھا۔ اور ان کی بجائے جرنیل ہیڈ مین کا تقرر کیا گیا۔ جو سمرنا کے ایک عالی شان محل میں مقیم تھے۔ وہ گاہے گاہے موٹر پر سوار ہو کر محاذ کے معائنہ کے لئے نکلتے۔ ان کی روپہلی سنہری وردی پر سونے کے ستارے درخشاں تھے جو یونانی سپاہیوں کو مبہوت کرتی۔ جب کبھی وہ خندقوں کے

معائنے کے لئے جاتے تو نہایت پر تکلف لذیذ کھانا نہایت شان و شوکت سے نوش جان کرتے قیمتی شرابیں اور پری پیکر عورتیں قیلولے کے وقت خندقوں میں مہیا کی جاتیں۔ افسر اور سپاہی ان کی طرز زندگی اختیار کرنا فیشن کی انتہا سمجھتے جس سے حسد کی آگ دن بدن زیادہ بھڑکتی۔

یونانی چیمبر کے صدر گونر نے دول یوروپ کو مدد کے لئے مراسلے بھیجے: "ہمارا ملک یوروپ کی خاطر تباہ ہو گیا ہے۔ یونان سمرنا کے عیسائیوں کو ترکوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ تین سال سے ہم متواتر لڑ رہے ہیں۔ ہمیں سپاہیوں اور روپیہ کی اشد ضرورت ہے"۔

فرانس نے مراسلے کے جواب میں لکھ بھیجا "تم نے شاہ کانسٹائن کو واپس بلانے میں سخت غلطی کی تھی۔ ہم نے تمہیں متنبہ کر دیا تھا۔ تم نے جو کچھ کیا ہے اپنی ذمہ داری پر کیا ہے۔ ہمارا معاہدہ ترکوں سے ہو چکا ہوا ہے اور جنگ عظیم کی تھکاوٹ کے بعد ہم سے یہ توقع رکھنی فضول ہے کہ ہم پھر جنگ میں شریک ہوں"۔

لارڈ کرزن نے گونر کو لکھا "ہم تمہارے لئے بہت کچھ کر رہے ہیں تمہیں صبر سے کام لینا چاہیئے۔ عنقریب پیرس میں ایک کانفرنس کا تمہاری خاطر انعقاد کیا جائے گا۔ علانیہ طور پر ہم تمہیں آدمی روانہ نہیں کر سکتے روپیہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ البتہ خفیہ طور پر میں حکومت سے تمہیں قرضہ دلا سکتا ہوں"۔

لارڈ کرزن کی وساطت سے انگلستان نے ایک بہت بڑی رقم بطور قرضہ ایتھنز بھیج دی۔

سلطان وحید الدین کی حالت میں چنداں تغیر واقع نہ ہوا وہ اپنی ریشہ دوانیوں میں خوب پھنسے ہوئے تھے۔ باب عالی ایک ایسے دروازے کی مانند تھے جو محض دروازہ ہو مگر اس کے ساتھ کوئی مکان نہ ہو۔ وزرا اسی طرح قائم تھے مگر ان کے پاس کوئی کام کرنے کو نہ تھا۔

برعکس انگورا کے وزرا دن رات کام میں مشغول تھے ان کا ڈکٹیٹر سپاہی۔ جرنیل۔ مدبر۔ وزیر اور صدر تھا۔ وزرا ایک درخت کے نیچے زمین پر بیٹھ کر اجلاس کرتے اور اہم معاملات کا فیصلہ کرتے۔

دول یورپ نے وزیر اعظموں کی ایک کانفرنس کا پیرس میں انعقاد کیا مگر یونان کی اس سے تسلی نہ ہوئی۔ سمرنا کی روک تھام کرنے کے لئے یونانیوں نے اڈریانوپل کے جنوب کی طرف ایک جرار لشکر جمع کیا اور گونر نے اتحادیوں کو لکھا کہ یونانی قسطنطنیہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کی اجازت اس امر کے لئے طلب کی۔ یونانیوں نے جواب آنے سے پیشتر قسطنطنیہ پر پیشقدمی شروع کردی۔ وہ خوش تھے کہ ان کے خواب کی تعبیر پوری ہونے والی ہے اور اگر ایک دفعہ وہ قسطنطنیہ میں داخل ہو گئے تو پھر وہاں سے نکلنا کوئی آسان کام نہیں۔ غالباً لائڈ جارج یونان کو قسطنطنیہ پر قابض دیکھ کر بہت مسرور ہوتے مگر اٹلی اور فرانس نے نہایت زور سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور مزید لکھا کہ اٹلی اور فرانس کی وہ افواج جو قسطنطنیہ میں مقیم ہیں یونانی قبضہ اور مداخلت میں مزاحم ہوں گی۔ تاہم یونانیوں نے قسطنطنیہ کے باہر نہایت مضبوطی سے ڈیرے ڈال دئے۔

انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر لایڈ جارج نے ہوس آف کامنز میں اپنی یونانی پالیسی کی وضاحت میں ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس میں انہوں نے یونانیوں کی تعریف کے پل باندھ دئے۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا "ہمارا فرض ہے کہ ہم غریب اور مظلوم عیسائیوں کو جو ایشیائے کوچک سمرنا اور تھریس میں مقیم ہیں ترکوں کے ظلم سے بچائیں اور یونانیوں کی حمایت کے لئے مستعد ہو جائیں"۔

اس تقریر کا انگلستان اور آئرلینڈ میں اچھا اثر نہ ہوا۔ کارڈینل لوگ آئرلینڈ کے پریمٹ نے جو ہوس آف کامز میں موجود تھے۔ کہا "مسٹر لایڈ جارج اور اس کے ساتھی عیسائیوں کو بچانے کے لئے جو ایشیائے کوچک سمرنا اور تھریس میں مقیم ہیں اس قدر مستعد ہیں کہ جس کا بیان نہیں۔ کیا میں یہ پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آئرلینڈ کے عیسائیوں کا جو قتل عام ہر روز ہو رہا ہے اس کی روک تھام کے لئے مسٹر لایڈ جارج نے کونسی مستعدی کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کے پہلو میں دل ہے اور دل میں صرف ایشیائی عیسائیوں کی محبت بھری ہے کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ یہ پریم یہ محبت یہ شانتی محض اس لئے ہے کہ غریب اور بے کس ترکوں کو کچل ڈالا جائے اور ان کے ملک پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جائے"۔

مصطفےٰ کمال اپنے تدبر کی آخری چال چلے۔ انہوں نے یوسف کمال اور فتحی بے کو پیرس۔ روم اور لنڈن بھیجا کہ وہ وزراء سے مل کر امداد طلب کریں۔ ایک اپیل شائع کی کہ ترکوں کو صفحہ ہستی سے نہ مٹایا جائے

پیرس اور روم میں سفیروں کا بہت شان دار استقبال ہوا۔ ان کی امداد میں عوام نے مظاہرے کئے۔ مگر لندن میں لوگوں اور حکومت کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ لائیڈ جارج اور کرزن نے ان سے ملاقات کرنی گوارا نہ کی صرف ایک شخص سے وہ ملاقات کرنے میں کامیاب ہوئے اور وہ آنریبل مانٹیگو وزیر ہند تھے۔ جب فتحی بے قطعی طور پر مایوس ہو گئے تو انہوں نے انتہائی مایوسی کی حالت میں مصطفےٰ کمال کو تار دے دیا "ہلا بول دو"
مصطفےٰ نے ہر ممکن کوشش کی کہ خون نہ بہایا جائے۔ لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسی لڑائی لڑی جائے کہ اس کے بعد دوسری لڑائی کی ضرورت نہ رہے۔ چونکہ یونانیوں کی جمعیت زیادہ تھی اس لئے محض حیلہ اور تدبیر کے سوا کوئی بات پیش نظر نہ تھی۔

فٹ بال میچ دیکھنے کا بہانہ کر کے مصطفےٰ کمال عصمت پاشا کے پاس جو ویسٹرن فرنٹ کے کمانڈر تھے پہنچے ان کو حملہ کی تجاویز سمجھائیں اور وہاں سے وہ انگورا پہنچ گئے۔ کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی مصطفےٰ کمال نے مشہور کر دیا کہ اناطولیہ وایشیائے کوچک میں عظیم انقلابات برپا ہو گئے ہیں۔ انگورا میں بلوے ہو رہے ہیں۔ ان اطلاعات سے یونانیوں کے قلب کو تسکین ہوئی اور وہ خاموش ہو رہے۔

افیوم کرا حصار پر رات کے وقت ترکی فوجوں کو جمع کیا جاتا دن کے وقت کوئی نقل وحرکت نہ کی جاتی۔ البتہ اسکیسر پر کچھ فوجوں کا

مظاہرہ دن کے وقت کیا جاتا اور ترک اس کا خوب چرچا کرتے۔ یونانیوں نے بھی اسکسر پر فوجوں کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور وہ سمجھے کہ لڑائی کا محاذ اسکیسر ہو گا۔

مصطفےٰ کمال نہایت پوشیدگی کے ساتھ بذات خود محاذ پر پہنچے ادھر مشہور کیا جاتا تھا کہ مصطفےٰ کمال انگورا ہی میں ہیں ترکی اخبارات ہر روز ان کے انٹرویو شائع کرتے۔ ان کی تقریریں نقل کی جاتیں اور ان کے دیگر مشاغل کو تفصیل کے ساتھ شائع کیا جاتا فوجوں کو بھی اس بات کا علم نہ تھا کہ کیا سے کیا ہونے والا ہے۔

چھبیس اگست ۱۹۲۲ء کی صبح کو جب یونانی بستر استراحت سے اُٹھے تو توپیں چل رہی تھیں پیشتر اس کے کہ انہیں حالات کا اندازہ ہو ترکی حملہ پورے زور پر تھا۔ ترکوں نے ارادتاً یونانیوں کے سب سے اہم اور مضبوط مقامات پر حملہ کیا تھا۔

دملو پانار کی لڑائی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مصطفےٰ کمال خود لڑائی کے انچارج تھے۔ یونانیوں نے شروع میں خوب مقابلہ کیا مگر کہاں مصطفےٰ کمال اور کہاں یونانی سپہ سالار۔ سپہ سالار یونان کو ان کی غلط کاریوں کی وجہ سے لڑائی کے دوران ہی میں موقوف کیا گیا۔ ان کی جگہ ان کے جانشین جرنیل ٹرکیوس مقرر کئے گئے مگر ان کے تقرر کے بعد فوراً ہی ترکوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔

ترکوں نے دملو پانار میں یونانیوں کی فوجوں میں شگاف کر کے انہیں دو

حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اس زور سے حملہ کیا کہ یونانی بھاگ نکلے۔ اور بحری جہازوں میں بیٹھ کر جو ان کے انتظار کے لئے جنوب کی سمت کھڑے تھے غائب ہو گئے یونانیوں کو بھاگنے میں ایک ہفتہ لگا۔ راستے میں جو نہتے مسلمان ترک ان کے ہاتھ آئے موت کے گھاٹ اتارے گئے انکے گاؤں کو جلا دیا اور دنیا کو بتلا دیا کہ شریف اور رذیل میں فطرتاً بہت تفاوت ہے۔

۹ ستمبر ۱۹۲۲ء کو ترکی فاتح فوجیں سمرنا میں داخل ہوئیں غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے حضور آقائے نامدار کی فتح مکہ کی تقلید کرتے ہوئے عام اعلان کر دیا کہ "آج کے دن عیسائیوں۔ یہودیوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے آج سے یونانیوں کے ظلم و تعدی کا دور ختم ہو گیا ہے۔ اور ہر شخص کے لئے عاطفت اور امن رہیگا" مشہور جرمن مورخ ڈاگ برٹ فان جیکوس رقمطراز ہیں "یہ ایک معجزہ تھا کہ سمرنا میں قطعی طور پر امن تھا اور کسی ایک متنفس کی جان بھی ضائع نہ ہوئی فتح کے بعد یونانیوں نے شہر کو آگ لگا دی۔ جس سے کروڑوں روپیہ کا نقصان ہوا مگر اس شریف النفس انسان کے ماتھے پر بل نہ پڑا اور ان یونانیوں کی جان بخشی کر دی جو آگ لگانے کے ذمہ وار تھے۔

مصطفیٰ کمال کو اس امر کا پورا احساس ہو چکا تھا کہ جبتک یونانی اور ارمنی ترکی کے علاقے میں مقیم ہیں۔ امن کا قائم ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے انہوں نے وہ علاقے جن میں ترک آباد تھے۔ یونانیوں سے بدل لئے اور یونانیوں کو اس کے عوض وہ علاقے دے دئے جن میں یونانی اور ارمنی

مقیم تھے۔

جب یونانی ایشیائے کوچک سے غائب ہو گئے تو یورپ کی طاقتوں نے محسوس کیا کہ ان کا انتقام پورا نہیں ہوا۔ وہ ترکوں کے ساتھ براہ راست لڑنے کی نہ تو طاقت رکھتے تھے اور نہ ان میں اس امر کا حوصلہ تھا۔

مصطفےٰ کمال یہ نہیں چاہتے تھے کہ یونانیوں کو اتنی فرصت دیں کہ وہ تازہ دم ہو لیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ انہیں تھریس میں ایسی شکست فاش دیں کہ انہیں دھکیلتے ہوئے ایتھنز تک لے جائیں۔ فتح سمرنا کے بعد مصطفےٰ کمال نہایت پھرتی کے ساتھ سمرنا کے شمال کی طرف بڑھے۔ وہاں انہوں نے اپنی افواج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کو درہ دانیال پر ٹھیر جانے کا حکم دیا۔ اور دوسری کو کہا وہ قسطنطنیہ پر جا کر دم لے۔ درہ دانیال پر انگریزوں نے ان کے گذرنے میں مزاحمت کی۔ مصطفےٰ کمال نے مطالبہ کیا کہ ملک ترکوں کا ہے اس لئے ان کے گذرنے میں کوئی طاقت مزاحم نہیں ہو سکتی۔ جرنیل ہرنگٹن نے جو کہ اتحادیوں کے سپہ سالار تھے۔ صاف انکار کر دیا۔ باوجود انکار کے مصطفےٰ کمال نے فوجوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی پیش قدمی جاری رکھیں اور تمام افواج ساحل پر جمع ہو جائیں۔ فوجوں کو "چنک" سے عبور کرنا تھا۔ جو درہ دانیال کے ایشیا کی طرف واقع اور گیلی پولی کے بالمقابل ہے۔

ترکوں کے اس عزم بالجزم نے کہ وہ زبردستی عبور کرنا چاہتے ہیں۔ دول یورپ میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ مسٹر لائڈ جارج نے ہر ممکن کوشش کی کہ اتحادیوں میں اس معاملہ کے لئے یکجہتی اور اتفاق پیدا

ہو۔ وہ ایک حد تک اتفاق پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے اور اتحادیوں نے ایک متفقہ نوٹ مصطفےٰ کمال کو بطور صدائے احتجاج لکھا۔ روم اور پیرس نے مقامات کی حفاظت ہر ممکن طریقہ سے کی۔ ان کا خیال تھا کہ اتحادیوں کا جھنڈا بلند ہوتے ہی ترک اپنے ارادہ سے باز آجائیں گے مگر مصطفےٰ کمال ہراساں ہونے والی شخصیت ہی نہ تھی۔ نہ تو وہ اعلان جنگ سے ڈرتے۔ اور نہ جنگی تیاریوں سے پریشان ہوتے۔ جب مصطفےٰ کمال تمام تیاریاں کر چکے تو انہوں نے زبردستی نیوٹرل زون سے گذر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اور زبردستی آگے بڑھنا شروع کیا۔ نیوٹرل زون سے زبردستی گذر جانے کے صاف معنی تھے کہ مصطفےٰ کمال تمام یوروپ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہیں اور وہ کاہ برابر بھی کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔

انگلستان کی حالت نہایت زبون تھی۔ اگر ترکوں کو عبور کرنے کی اجازت دی جائے تو اس کے صاف معنی تھے کہ لڑائی بلقان میں پھر گرم ہو گی اور کون کہہ سکتا تھا کہ کہاں ختم ہو گی۔ ممکن ہے کہ روس جو ترکوں کا حلیف تھا لڑائی میں کود پڑے۔ اٹلی اور یوگوسلاویکیا کا جھگڑا جو البانیا کے متعلق تھا از سر نو شروع ہو جائے اور وہ آگ جو مشرق میں سلگ رہی تھی ممکن تھا کہ یوروپ کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔

اور اگر ترکوں کو گذرنے کی اجازت نہ دی جائے تو بھی ان کو روکنے کے لئے لڑائی ایک ضروری عنصر ہو گی اور ان حالات میں بھی نتائج قریب قریب وہی ہوں گے۔

بہر حال مسٹر لائیڈ جارج نے نہایت غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ترکوں کو نہ گذرنے دیا جائے۔ اس احساس کے آتے ہی انہوں نے جنگ کے نعرے لگانے شروع کر دئے۔ رومیلیا یاگوسلاویکیا اور دیگر سلطنتوں سے التجا کی گئی کہ وہ درہ دانیال پر ترکوں کی روک تھام کے لئے افواج روانہ کریں۔

چونکہ مسٹر لائیڈ جارج نے جنگ کا اعلان بغیر فرانس کے مشورہ کے کر دیا تھا۔ اس لئے فرانس نے نہایت ہوشیاری اور ڈپلومیسی سے اس اعلان کا فائدہ اُٹھایا۔ فرانسیسوں نے اعلان جنگ سے بیزاری ظاہر کر کے اعلان کر دیا کہ وہ ہرگز ترکوں سے جنگ کے خواہشمند نہیں۔ بلکہ ان کی عین آرزو ہے کہ ان کے اور ترکوں کے درمیان صلح قائم رہے۔ فرانس نے جلتی آگ پر تیل ڈال کر جنگ اور ایشیاٹک ساحل سے دست بردار ہو کر فرانسیسی فوجوں کو واپس بلا لیا۔ اٹلی نے بھی فرانس کی تقلید کی۔ اور اطالوی فوجوں نے محاذ کو خالی کر دیا۔

انگلستان اب صرف مزاحمت کے لئے تنہا رہ گیا۔ لائیڈ جارج اور مصطفےٰ کمال میں اب جنگ تھی۔ ایک طرف لائیڈ جارج تھے جن کی پشت پر دنیا کی سب سے بڑی عظیم الشان سلطنت تھی۔ دوسری طرف ایشیا کا یہ "فدائی" تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ دونو نہایت اعلیٰ پایہ کے مدبر تھے مگر موخر الذکر کو سبقت تھی کہ وہ مدبر ہونے کے علاوہ نہایت جرار اور عمدہ جرنیل بھی تھا۔ دونوں نہایت جرأت والے تھے اور تمام حیلوں، چالوں اور

تدبیروں سے کماحقہ واقف تھے۔

انگلستان کی تین چوتھائی بحری طاقت درہ دانیال پر جمع کی گئی نہایت تندی اور سرعت کے ساتھ بحری جہاز جبرالٹر۔ مالٹا۔ اور مصر سے درہ دانیال پر لائے گئے۔ مصطفے کمال کی افواج وہاں سے اتنے فاصلہ پر پہنچ چکی تھیں کہ انگریزی بحری جہاز نہایت آسانی سے ان پر گولہ باری کر سکتے تھے۔

ترک سمرنا کی فتح کی خوشی میں سرشار تھے اور وہ تھریس پر حملہ کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف تھے۔ وہ نہ تو بحری طاقت سے متاثر ہوتے نہ بڑے بڑے جنگی جہاز ان کے دلوں کو مرعوب کرتے نہ وہ توپوں سے ڈرتے اور نہ موت کا خطرہ انہیں لرزاں کرتا۔ وہ سمجھتے کہ بڑے بڑے جہازوں کو وہ ہاتھوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں اور مہیب توپوں میں اپنا سر ٹھونس کر ان کو ہمیشہ کے لئے بے کار کر سکتے ہیں۔ وہ ہر وقت حملہ کے لئے تیار تھے اور اپنے سرداروں کو کہتے کہ وہ وقت کب آئے گا جب ہمیں دھاوا کا حکم دیا جائے گا۔

لوگ مصطفے کمال کی خاموشی سمجھنے سے قاصر تھے اور ان کے لئے دن بدن مشکل ہو رہا تھا کہ وہ اپنے جرنیلوں کے جوش کو ٹھنڈا رکھ سکیں یہ ایک معمہ ہے کہ آیا واقعی مصطفے کمال انگلستان کے مقابلے کے لئے تیار تھے۔ تاہم ان کے تدبر لیاقت اور شجاعت نے انگریزوں کے دلوں میں ایک قسم کا خوف طاری کر دیا تھا۔

جرنیل ہرنگٹن، سپہ سالار نے بھی تدبر سے کام لیا۔ دونوں غنیم ایک

دوسرے کے سامنے کیبل کانٹے سے لیس لڑائی کے لئے تیار پڑے تھے۔ کرنیکلس یولان انگریزوں کا پیغام لے کر مصطفےٰ کمال کے پاس پہنچے کہ یونانی تھریس کو خالی کر دینے پر آمادہ ہیں بشرطیکہ ترک حملہ نہ کریں مصطفےٰ کمال یہی تو چاہتے تھے۔ فوراً صلح کے لئے کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہو گیا اور ترکوں کی طرف سے عصمت پاشا سفیر مقرر ہوئے۔

دس دن کے بعد لندن سے ترکوں کو بذریعہ تار مطلع کیا گیا کہ تھریس سے یونانی فوجیں ایک ہفتہ کے اندر واپس ہو جائیں گی۔ اور تھریس ترکوں کے حوالے کیا جائے گا۔ مگر قسطنطنیہ سے انگریزوں نے قبضہ اُٹھانے سے صاف انکار کر دیا۔ معاملات پر غور کر کے مصطفےٰ کمال نے تھریس کو لینا منظور کر لیا۔ مگر قسطنطنیہ کا سوال کانفرنس کے لئے ملتوی رہا۔

اس صلح کے بعد انگورا گورنمنٹ کے وہ علاقے ہاتھ لگے جس کے وہ شروع سے خواہاں تھے۔ ترکوں کے قدم پھر سے ساحل یورپ پر جم گئے جس سے یورپ نہایت برہم ہوا۔

اس صلح کے ہوتے ہی مسٹر لائڈ جارج کا رسوخ اپنے ملک سے جاتا رہا۔ انہوں نے ملک معظم کے حضور میں استعفا پیش کیا۔ دوبارہ الیکشن ہوا۔ مگر ملک نے ان پر اعتماد نہ کیا۔ بونرلا وزیر اعظم مقرر ہوئے اور لارڈ کرزن بدستور وزیر خارجہ رہے۔

ایتھنز میں انقلاب برپا ہوا۔ سمرنا کے بے گناہوں کا خون رنگ لایا۔ فوج اور بحری طاقت نے شاہ کے خلاف بغاوت کی۔ شاہ کانسٹنٹائن دوبارہ ملک سے نکالے گئے۔ وینزلاس پھر برسر اقتدار ہوئے۔ گونر۔ جرنیل ہیڈ اور چار دیگر وزرا پر مقدمے بنائے گئے۔ اور ان سب کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔

لوزان میں کانفرنس منعقد ہوئی۔ انگلستان نے سلطان کو نمائندہ بھیجنے کی دعوت دی لوگ اس چال کے سمجھنے سے قاصر تھے سلطان المعظم کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ تاہم سلطان کے نمائندوں کی دعوت کا اثر یہ ہُوا کہ انھوں نے محسوس کیا کہ اب صرف ایک ہی سلطنت کی بقا ضروری ہے سلطان کی شخصی حکومت کا خاتمہ کر کے آئینی حکومت کا فیصلہ ہُوا۔

سلطان المعظم خلیفۃ المسلمین۔ امیر المومنین قرار پائے۔ ان کے اختیارات محدود کئے گئے۔ اور مصطفیٰ کمال وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ طے پایا کہ بادشاہ کا وجود ملک و ملت کے۔ لئے عمر بھر کے لئے ضروری عنصر ہے۔ ان کی تمام خطائیں اور قصور معاف کئے گئے۔ اور ان کو وضاحت کے ساتھ مطلع کیا گیا کہ آئندہ وہ ہر معاملے میں نہایت احتیاط سے کام لیں اور کسی معاملہ میں باہر کی کسی سلطنت سے براہ راست گفت و شنید نہ کریں۔

اگرچہ سلطان وحید الدین نے قرآن مجید پر حلف لیا تھا کہ وہ ملک و ملت کے معاملہ میں وفادار رہیں گے۔ مگر تھوڑے ہی

دنوں بعد انہوں نے اختیارات لینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آئین کے خلاف بیرونی طاقتوں سے ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ مصطفیٰ کمال پر زور ڈالا گیا۔ ملک میں نفاق کا بیج بونے کی عملی تجاویز پر عمل پیرا ہوئے۔ فوج میں بغاوت پھیلانے کی سعی کی گئی اور ملک میں ایک انقلاب پیدا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ایک نہایت اہم اور خفیہ دستاویز انگلستان کے حوالے کی مثل مشہور ہے چور کی داڑھی میں تنکا۔ جب ملک کو انکی چالوں کی خبر لگی تو وہ سترہ نومبر ۱۹۲۲ء کو اپنے محل کے چور دروازہ سے اپنے بیٹے ارطغرل کے ساتھ بھاگ کر انگریزی جہاز "ملایا" پر جا پہنچے۔ وہ مالٹا میں کچھ روز بطور شاہی مہمان رہے پھر انہوں نے شاہ حسین کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر مصطفیٰ کمال کے خلاف ایک بغاوت پیدا کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ چند سال بعد وہ اپنے مکان سان ریمو یورپ میں جلاوطنی اور بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہوئے راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ ان کی جگہ شہزادہ عبد المجید جو عبد العزیز کے بیٹے ہیں اور سلطان وحید الدین کے چچیرے بھائی ہیں تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

بیس نومبر ۱۹۲۲ء کو لوزان میں کانفرنس کا اجلاس شروع ہوا۔ کانفرنس متواتر نو ماہ تک قائم رہی۔ یہ وہ نازک وقت تھا جب مصطفےٰ کمال کی پالیسی حکومت اور جان سخت خطرہ میں تھی۔ انگورا میں ایک نہایت خوفناک آگ نے شہر کو جلا کر خاک کر دیا۔ اور اس وقت مصطفیٰ کمال نے تہیہ کر لیا کہ اگر قادر مطلق نے فرصت دی تو وہ شہر کو یورپین شہروں کی طرح از سر نو تعمیر کرائیں گے۔

جب مصطفیٰ کمال سمرنا میں بطور فاتح داخل ہوئے تو ان کی ملاقات کے لئے ایک نوجوان خاتون آئیں۔ یونانیوں نے ان کا مکان جلا دیا تھا۔ وہ اس کو مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے کہ وہ ترکوں کو تمام خبریں اور سامان رسد بہم پہنچاتی ہے۔ اس دلیر اور نوجوان عورت نے یہ تمام واقعات من وعن مصطفیٰ سے بیان کئے اور کہا کہ اس نے عہد کیا ہوا ہے کہ اگر مصطفیٰ کمال کو خدا نے فتح دے کر سمرنا میں آنے کا موقعہ دیا تو وہ انہیں اپنے گھر دعوت دے گی اور ماحضر کے لئے مجبور کرے گی۔ ان کے والدین پیرس میں تھے اور وہ خود لڑائی کے دوران میں یونانیوں کی زیر حراست تھی۔

مصطفیٰ کمال نے ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر وہ نہایت مصر تھی اور نہایت منت اور سماجت سے دعوت قبول کرنے

کی التجا کی۔ اس عورت کا نام لطیفہ خانم تھا۔ اس نے اپنے گلے سے لاکٹ کھول کر مصطفیٰ کو اسکی تصویر دکھائی اور کہا کہ میں نے قرآن پر عہد کیا تھا کہ اگر خدا یونانیوں سے نجات دلائے تو وہ غازی کی دعوت کرے گی اور ان کو گھر بلانے کی ہر ممکن سعی عمل میں لائے گی غازی ممدوح نے ان کے جذبہ وایثار سے متاثر ہو کر دعوت کو قبول کر لیا۔ لطیفہ خانم کے والد جہاز ران تھے کئی جہازوں کے مالک تھے وہ نہایت امیر کبیر تھے۔ غازی موصوف نہیں بذات خود جانتے تھے۔ لطیفہ خانم نے اپنے عالی شان مکان پر غازی ممدوح کا استقبال کیا۔ لطیفہ خانم کا سن اس وقت بیس سال کا تھا۔ اور وہ عالی شان دعوت دی گئی کہ سمرنا میں اس سے قبل ایسی دعوت کا منظر لوگوں نے نہ دیکھا تھا۔ لطیفہ خانم نے غازی ممدوح کو مجبور کیا کہ وہ اپنی صحت کی خاطر کچھ وقت ان کے مکان پر مقیم رہیں۔ لطیفہ خانم نے ان کی وہ خاطر و مدارات کی کہ مصطفےٰ کے دل میں لطیفہ کی شرافت گھر کر گئی۔ لطیفہ خانم علیحدہ مکان میں رہتی۔ اور اکثر دوپہر کے وقت ان سے ملنے کے لئے آتی۔ غازی موصوف نے بھانپ لیا۔ کہ وہ نہایت اعلیٰ دل و دماغ کی مہذب اور تعلیمیافتہ عورت ہے اس کی تعلیم قسطنطنیہ کے امریکن کالج میں ہوئی تھی اور اس کے بعد وہ قانونی کالج پیرس میں پڑھی تھی۔ اس نے تمام یورپ کی سیاحت کی ہوئی تھی وہ کئی ایک زبانوں میں مہارت رکھنے والی قادر الکلام عورت تھی مصطفیٰ کمال نے محسوس کیا کہ ایسی عورت ان کے لئے واقعی مفید ہوگی +

آخر مصطفےٰ انسان تھے۔ ان کے پہلو میں دل تھا اور دل فطری

طور پر عورت کا محب انہوں نے اقرار کیا کہ وہ لطیفہ خانم سے محبت کرتے ہیں۔ مگر اپنی مجبوری ظاہر کی کہ جب تک ملک قطعی طور پر آزاد نہ ہو جائے۔ وہ اپنے وعدہ کے مطابق شادی نہیں کریں گے۔ ابھی وہ قسطنطنیہ کی نجات اور کانفرنس کے خاتمہ کے منتظر تھے۔

مصطفیٰ کمال سمرنا سے بردسا پہنچے۔ ڈیڑھ ماہ گذر گیا اور لطیفہ خانم کو مصطفیٰ کمال کی طرف سے کوئی نامہ و پیام نہ ملا۔ جب کانفرنس کا فیصلہ مصطفیٰ کی حسب منشا ہو گیا تو ایک روز انہوں نے اپنے ملازم کو سفر کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ سمرنا پہنچے تو سیدھے لطیفہ خانم کے مکان کا راستہ لیا۔ اور کہا میں نے تمہارے ساتھ عقد کا فیصلہ کر لیا ہے مگر نکاح شریعت کے مطابق ہو گا۔ کوئی فضول رسم ادا نہ کی جائے گی اور نہ اس کا عام چرچا کیا جائے گا۔ لطیفہ خانم شہر کے مضافات میں مقیم تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا جب وہ دونو شہر کی جانب روانہ ہوئے اور ایک مسجد میں نکاح کی رسم ادا کی گئی۔

نکاح کے بعد وہ سیر کے لئے مختلف گاؤں میں جاتے دیہاتیوں کی شکایات سنتے اور انہیں دور کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتے۔ ایک روز جب وہ دونو فوجوں کا ملاحظہ کر رہے تھے تو پہلی دفعہ لوگوں کو پتہ چلا کہ وہ ان کی بیوی ہیں۔

مصطفیٰ کمال کی والدہ ان کے ہمراہ انگورا میں مقیم تھیں وہ اندھی ہو چکی تھیں مگر بیٹے کی محبت انگورہ بھر میں ضرب المثل

لطیفہ خانم اہلیہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا

تھی مصطفیٰ کمال باوجود عدیم الفرصتی ہر روز دو گھنٹے ان کے پاس رہتے مامتا کی ماری ماں متواتر دو گھنٹے ان کے چہرے پر ہاتھ پھیرتی اور اپنے دل کی تڑپ بجھاتیں ؛

لوزان میں بارہ سلطنتوں کے نمائندے جمع ہوئے

بیس نومبر ۱۹۲۲ء کو کانفرنس شروع ہوئی۔ پائن کار کرزن اور مسولینی نہایت شان و شوکت سے رسومات بجالائے۔ انگلستان کے نمائندہ لارڈ کرزن صدر الصدور منتخب ہوئے عصمت پاشا ترکی کے نمائندہ تھے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کانفرنس میں ایک اصول وضع کر لیا جائے کہ تمام ملکوں کی حکومت اپنی حکومت ہوگی۔ اس کے بعد تفصیلات پر بحث و تمحیص کی جائے" عصمت پاشا خوب جانتے تھے کہ ان کے مطالبات کیا ہیں خفیہ عہدنامہ کی نقل ان کے قبضہ میں تھی اور وہ اس کا خوب فائدہ اُٹھاتے تھے بدقسمتی سے لارڈ کرزن نے فرانسیسوں کو پھر گانٹھ لیا اور وہ ترکوں کی مخالفت پر متفقہ طور پر اڑ گئے۔ کانفرنس میں لارڈ کرزن اور عصمت پاشا میں کھلی لڑائی تھی جو کئی ماہ تک جاری رہی۔ لارڈ کرزن کانفرنس میں ایک سکول ماسٹر کی طرح گرجتے مگر عصمت نہ ان کی گرج کی پروا کرتے۔ نہ خوشامدوں سے پسیجتے۔ نہ دھمکیوں سے ڈرتے۔ وہ صرف وہ سنتے جو ان کے مطلب کا ہوتا۔ لارڈ کرزن نے ایک دفعہ اپنی بدمذاقی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا "یہ ترک بنیوں کی طرح کوڑیوں پر جھگڑتا ہے" ؛

ترکوں نے صاف انکار کر دیا کہ وہ تاوان جنگ کے متحمل نہ

ہوں گے۔ انہوں نے برملا کہہ دیا کہ وہ اپنے ملک کی ایک انچ زمین پر
کسی غیر کا قبضہ نہیں دیکھ سکتے۔ اب کیپٹیلیشن ترکی میں موہوم چیز ہو گا
ہر شخص کو جو ترکی میں بسے گا اُسے سارے ٹیکس ادا کرنے ہوں گے اور بیرونی
طاقتوں کو حق نہ ہو گا کہ وہ ترکوں کے معاملات میں مداخلت کریں عصمت
پاشا نے کہہ دیا کہ ترک ان معاملات میں پکے ہیں اور اپنے معاملات کے
لئے لڑنے مرنے پر تیار اور متفقہ یورپ کے ساتھ جنگ کرنے
کے لئے کمربستہ ہیں۔ کانفرنس کے اجلاس تین ماہ سے متواتر ہو رہے تھے
اور ابھی تک پہلا اصول بھی وضع نہ ہُوا تھا۔ لارڈ کرزن ایک خریدار
کی طرح آخری چال چلے اور عصمت پاشا سے کہہ دیا کہ وہ ترکوں کے
مطالبات منظور کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ بگڑ کر کانفرنس
سے چل دئے اور اپنا اسباب باندھ کر اسٹیشن پر جا پہنچے۔ ان کا
خیال تھا کہ عصمت پاشا ان کے پیچھے بھاگتے ہوئے آئیں گے۔ ناک
رگڑیں گے اور منا کر واپس لے جائیں گے اس نقطۂ نگاہ سے وہ ایک
دن اپنی گاڑی میں ہوائی قلعے بناتے عصمت کا انتظار کرتے رہے مگر
وہ عصمت تھے اور مصطفیٰ کمال پاشا کے شاگرد رشید انہوں نے اس طرف
نگاہ رخ بھی نہ کیا۔ اور آخر لارڈ کرزن نہایت ناکام و مایوس کوئے
جاناں سے خالی ہاتھ واپس لوٹے۔

فروری ۱۹۲۳ء کو بغیر کسی نتیجہ کے کانفرنس کا خاتمہ ہو گیا
ترک اپنے ملک میں واپس چلے گئے۔ سلطان المعظم نے جو از سر نو

بیرونی طاقتوں کے ہاتھ بکے ہوئے تھے خفیہ عہد نامہ اپنے دوستوں کے حوالہ کردیا مگر ملاحظہ پر معلوم ہوا کہ انگورہ والوں نے سلطان کو بھی دھوکا دیا ہوا تھا۔ دراصل وہ نقل تھی اور اصلی عہد نامہ انگورا کے بنک میں تھا۔

مصطفےٰ پھر ایک نئی چال چلے فرانسیسیوں کو انہوں نے یقین دلا دیا کہ روس کے سینکڑوں بحری اور ہزاروں ہوائی جہاز اور لاکھوں آدمیوں کی فوجوں کو قسطنطنیہ پر متمکن کیا گیا ہے۔ وہ ایک ایسی جنگ کے لئے تیار ہیں جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی۔ فرانس نے فوراً درہ دانیال کو خالی کر دینے کا وعدہ کیا۔ اور قسطنطنیہ سے فوجیں واپس بلالیں۔ اٹلی سے بھی وہ یہی چال چلے۔ اب باقی انگلستان تھا مگر انگریز بذاتہ تنگ آچکے تھے۔ کمال پاشا نے ان کو بھی یقین دلایا کہ روسی فوجیں آپہنچی ہیں۔ اٹلی اور فرانس کے علیحدہ علیحدہ عہد ناموں سے انگلستان برگشتہ ہو چکا تھا۔ سپہ سالار انگلستان نے ان سے مہلت چاہی اور میعاد مقررہ کے بعد قسطنطنیہ خالی کر دیا۔

قسطنطنیہ کی آزادی کا جشن نہایت دھوم دھام سے منایا گیا رؤف بے قسطنطنیہ کے ملٹری گورنر مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر عدنان خالدہ ادیب خانم کے خاوند ان کے نائب مقرر ہوئے۔ ان دونوں نے اس جانفشانی اور محنت سے کام لیا کہ قسطنطنیہ میں چند ماہ میں پھر پرانی بہار آگئی۔ ترکوں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کا پایہ تخت انگورہ رہے گا۔ کیونکہ آئے دن کی دھمکیوں سے وہ پریشان ہو چکے تھے۔

رفعت پاشا نے وزیر اعظم قسطنطنیہ سے پھر ساز باز شروع کر دی اور سلطان معظم کو گانٹھ کر چاہا کہ انگورا کی حکومت کے خلاف ہیجان پیدا کیا جائے۔ پارلیمنٹ میں متواتر نو دن تک پریشانی رہی۔ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ عصمت پاشا کو نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو مصطفیٰ کمال خود بخود نکل جائیں گے۔ مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ شیدائی وطن کسی خاص عندیہ سے قوم کی خدمت نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کے دل میں قوم کی سچی محبت بھری ہوئی تھی اور جب تک اس کی جان میں جان تھی وہ ملک۔ ملت اور قوم کو چھوڑنے کو نہ تھا۔

دو اپریل ۱۹۲۳ء کو گورنمنٹ مستعفی ہو گئی۔ نیا انتخاب شروع ہوا۔ مصطفیٰ کے دشمنوں کا خیال تھا کہ وہ اس دفعہ کمالسٹوں کو پارلیمنٹ میں زیادہ تعداد سے نہ گھسنے دیں گے۔ لیکن لوگوں کے دلوں میں ان کے ایثار اور قربانی کا جذبہ گھر کر چکا تھا۔ وہ متواتر دس ہفتے ملک کا دورہ کرتے رہے۔ لوگوں کو حالات سے آگاہ کرتے۔ دشمنوں کی چالوں کے راز افشا کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف پارٹی کے صرف دس ممبر چنے جا سکے اور باقی سب کمالسٹ تھے جنہوں نے متفقہ طور پر مصطفیٰ کمال کو اپنا سردار اور ناخدا مقرر کر دیا۔

نو اپریل ۱۹۲۳ء کو لوزان میں دوبارہ کانفرنس کا اجرا ہوا اب کے لارڈ کرزن نے کانفرنس میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ ان کی

جگہ سر ہورس امیلوڈ جو قسطنطنیہ میں ہائی کمشنر تھے مقرر ہوئے۔ چوبیس جولائی ۱۹۲۳ء کو لوزان کے گرجوں کے گھنٹوں نے صلح کی خوشی کا اعلان کر دیا۔ ترکوں کو وہی ملا۔ جس کی وہ خواہش کرتے تھے کیپٹیلیشن اڑا دیا گیا۔ ان کا تمام علاقہ آزاد کر دیا گیا۔ تاوان جنگ موقوف کر دیا۔ درہ دانیال ان کے قبضہ میں رہا اور اس معاہدہ پر بارہ سلطنتوں کے دستخط ثبت ہوئے اور یہ کاغذ نئی ٹرکی کے لئے آزادی کا چارٹر تصور کیا گیا جو اسے ددل یورپ سے عنایت ہوا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ماڈرن یورپ کو مشرق کے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی۔

غازی کمال نے محسوس کیا کہ اللہ کے فضل سے ان کی تمام امیدیں برآئیں ہیں دشمن ناکام رہا ہے۔ مگر در اصل ان کا اصل کام اب شروع ہوا تھا۔ وہ متواتر دیکھ رہے تھے کہ سلطان المعظم ملک کی راہ میں روڑے پر روڑا اٹکا رہے ہیں۔ اس لئے مصطفیٰ کمال اس مسئلہ لاینحل کو دن رات سوچتے رہتے تھے۔

دوسری نیشنل اسمبلی کے اجلاس کے بعد رؤف بے مستعفی ہو گئے۔ استعفاء میں انہوں نے لکھا کہ چونکہ وزیر خارجہ عصمت پاشا سے ان کے تعلقات بہت بگڑ گئے ہیں۔ اس لئے وہ ایمان داری سے اپنے فرائض پر پابند نہیں رہ سکتے۔ اصل میں ان کا منشاء آپوزیشن پارٹی میں ملنے کا تھا۔ مستعفی ہوتے وقت آپ نے مصطفیٰ کمال سے کہا چونکہ میں مستعفی ہو رہا ہوں اس لئے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس معزز

عہدہ کو ہر طرح سے محفوظ رکھیں"۔

مصطفی کمال نے کہا "میں حلفاً وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کے کہنے کے مطابق ایمان داری سے اس عہدہ کی حفاظت کروں گا"۔

رؤف بے کی جگہ فتحی بے کو مقرر کیا گیا۔ رؤف بے نیشنل اسمبلی میں وائس پریذیڈنٹ چنے گئے۔

فتحی بے نے جو صرف ایک بار سینیٹر پریذیڈنٹ چنے گئے تھے دشمنوں کے دباؤ تلے استعفا داخل کر دیا۔ ان کے ساتھ ہی آئین کے مطابق دوسرے وزرا کو بھی مستعفی ہونا پڑا۔ وہ وزرا جو مستعفی ہوئے انہوں نے حلف لیا کہ اگر اسمبلی انہیں پھر دوبارہ نامزد کرے تو وہ پھر قلمدانِ وزارت قبول نہ کریں گے۔

گورنمنٹ میں نہایت ابتری پھیل گئی۔ واقعات قابو سے باہر ہو رہے تھے مصطفی کمال نے انتیس اکتوبر ۱۹۲۳ء کی شام کو اپنے خاص خاص احباب کو کھانے کی دعوت دی۔ ان میں عصمت پاشا فتحی بے۔ کاظم پاشا۔ کمال الدین۔ سمی پاشا بھی تھے۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور سب کی یہی صلاح ٹھیری کہ سلطان المعظم کے پنجوں سے ملک و ملت کو نجات دلائی جائے۔ آخر صلاح و مشورہ کے بعد طے پایا کہ کل صبح جمہوریت کا اعلان کر دیا جائے اور متفقہ طور پر اعلان ہوا کہ اس مرض کا علاج جمہوریت ہی ہے۔

اگلے دن دوپہر کے دو بجے جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہو رہا تھا

تو اسپیکر“ نے کہا ”میں ملک کی موجودہ مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے غازی مصطفیٰ کمال کی خدمت میں استدعا کرتا ہوں کہ آپ موجودہ موضوع پر روشنی ڈالیں“ غازی ممدوح منبر پر چڑھے اور کہا ”صدر گرامی قدر! موجودہ حالات کے ماتحت میں دیکھتا ہوں کہ وزارت کا بننا کس قدر دشوار ہے۔ حالات پھر بگڑ رہے ہیں۔ ہمارے عہد نامے ہمارے دشمنوں کو دئیے جا رہے ہیں۔ اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ مجھے ایک بل موسوم بہ ”جمہوریت“ پیش کرنے کی اجازت دی جائے“۔

فلک بوس نعروں سے ہال گونج اٹھا۔ مصطفیٰ کمال زندہ باد! پائندہ باد کے آوازے گونج رہے تھے۔ طے پایا کہ مصطفیٰ کمال چار سال کے لئے جمہوریت کے صدر چنے جائیں صدر وزیر اعظم نامزد کریں اور وزیر اعظم وزارت کی نیشنل اسمبلی کی مدد سے چنیں۔

بل کی تین ریڈنگ کے بعد ایکٹ قرار پایا۔ اور ایکٹ کو عملی جامہ پہنانے کا فرض اسمبلی کی ایک سب کمیٹی کے سپرد کیا گیا۔ قرار پایا کہ ”جمہوریت“ کو تمام دنیا میں بذریعہ تار مشتہر کیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ والدین کے گناہوں کی سزا بچوں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ وحیدالدین اور دوسرے سلطانوں کے قصوروں کا خمیازہ سلطان عبدالمجید کو بھگتنا پڑا۔ وہ ایک نہایت مہذب اور تعلیم یافتہ انسان ہیں جن کے اخلاق حمیدہ ہیں۔ ان کا شغل کتابیں ہیں۔ انہیں نقاشی سے خاص دلچسپی ہے۔ وہ نہایت سادہ۔ کم گو اور شریف انسان ہیں۔

غازی مصطفیٰ کمال نے جمہوریت کا اعلان کیا تو سلطان کی معزولی لازمی امر تھا۔ سلطان کے لئے ایک معقول پنشن مقرر کی گئی مگر اس شرط پر کہ سلطان کسی بیرونی طاقت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق نہ رکھے مگر سلطان کے حواریوں نے اپنے اثر اور غلط مشورہ کے سے انہوں بیرونی طاقتوں کا دباؤ ڈال کر مصطفیٰ کمال کی جمہوریت کو منسوخ اور خلافت کا از سرِ نو اعلان کرنا چاہا۔ حکومت انگورہ کو جب ان ریشہ دوانیوں کا پتہ چلا تو نیشنل اسمبلی نے حکم صادر کر دیا کہ سلطان اور ان کے خاندان کے تمام فرد دس دن کے اندر اندر ترکی سے نکل جائیں سلطان المعظم مع اپنے حواریوں کے عازم سوئٹزرلینڈ ہوئے جہاں بیسیوں شہزادے اور تاجدار جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں:

نیشنل اسمبلی میں طے پایا کہ ترکی کا اسٹیٹ ریلیجن یعنی دینِ حکومت اسلام ہوگا اور اسے تمام فروعات سے پاک و صاف کیا جائیگا:

خلافت کی منسوخی کے بعد ایک زبردست تحریک ترکی میں شروع ہوئی کہ غازی مصطفیٰ کمال کو خلیفہ بنایا جائے۔ دیگر اسلامی ممالک سے عرضداشتیں آئیں کہ وہ خلافت قبول فرمائیں۔ مگر مصطفیٰ کمال نے نہایت تندی سے جواب دیا کہ اگر خلافت کو قائم رکھنا منظور ہوتا۔ تو یقیناً آلِ عثمان سے بہتر اس کا کوئی حقدار نہ تھا۔ بقول ڈاگ برٹ فان سکوسل "وہ نپولین نہ تھا کہ ہوس میں آجاتا۔ اس نے نہایت زور سے اس تجویز کی مخالفت کی اور یہی لطیفہ خانم کی طلاق کا باعث ہوئی۔ اگر وہ خلافت

قبول کر لیتے تو یقیناً اسلامی دُنیا کی آنکھوں میں ان کی عزت بہت زیادہ ہوتی مگر ان کے دل میں صرف قوم کا درد ہے اور وہ اپنے ایمان کے منافی خیال کرتے ہیں کہ ہوس کی خاطر ایک سلطان کو نکال کر وہ عثمان کے تخت کو خود غصب کر لیں۔ انہوں نے برملا کہا کہ میں شریعت رسول اللہ کی متابعت کرنا چاہتا ہوں۔ اسلام نے انتخاب کے قانون کو اصولِ بادشاہت قرار دیا ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے نقش قدم پر چلنا باعث فخر و نجات سمجھتا ہوں"۔

دیگر اسلامی ملکوں کے لوگوں کو انہوں نے پیغام بھیجے کہ آپ دیگر بادشاہوں کے ماتحت ہیں خلیفہ کے حکم کی متابعت ازروئے شریعت ضروری ہے اس لئے میں اگر آپ کو وہ فتاوٰی دوں جو آپ کی حکومت کے منافی ہوں اور آپ ان کی تعمیل نہ کر سکیں تو کیا خلافت کا وجود مذاق اور ہنسی نہ ہوگا؟"

جب یہ مراحل طے ہو گئے تو اس مرد مجاہد نے نیشنل اسمبلی میں دوگانہ ادا کیا اور قوم اور ملک کی طرف پورے طور سے توجہ مبذول کر دی۔ اس ہیرو اعظم نے سب سے پہلے تعلیم کی طرف رخ کیا۔ ترکی کے باشندے نوے فیصدی سے زیادہ ان پڑھ تھے۔ وہ ان فروعات میں پھنسے ہوئے تھے جن سے حیوان اور انسان میں تمیز مشکل ہے۔ فضول رسوم میں اجڑ کر وہ دوسری قوموں کے ہاتھ بک جاتے اور قبہ پرستی کو اپنا نصب العین خیال کرتے تھے۔ بیکار زندگی بسر کرنا ان کا شغل تھا۔ درویش

اور راہب کا حال یہ تھا کہ لوگوں کو اور خاص کر غربا کو لوٹ کر زندگی بسر کرنا ان کا شعار تھا۔ ان کے گھروں میں شراب کے مٹکوں اور عورتوں کا اندازہ شمار ایک مشکل امر تھا۔ چور ڈاکو اور بدمعاش ان کے محلات میں پناہ لیتے تھے۔ اور پولیس ان ہستیوں کو متبرک مان کر ان کے گھروں کے متعلق جستجو خلافِ شریعت خیال کرتی۔ اور گناہِ عظیم سمجھتی۔ پیر قعہ کی آڑ میں وہ وہ برائیاں عمل میں آتیں کہ روح سُن کر اور آنکھیں دیکھ کر پھڑک جاتیں اسرا کے مکانات کا نقشہ پیش کیا جائے۔ مگر تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ نام کی پولیس۔ نام کی فوج اور نام کے دفتر تھے۔ نہ کوئی ان میں ترتیب تھی نہ تنظیم۔ مصطفی کمال نے تہیہ کر لیا کہ اگر ترکوں کو بطور قوم کے زندہ رہنا ہے تو خواہ کچھ ہو وہ ان عیوب کو دور کر کے رہیں گے اگر ان کو اپنی آزادی برقرار رکھنا ہے تو وہ قوم کو خواب غفلت سے بیدار کریں گے سینکڑوں برس کی سستی اور ذلت کو دُور کرنا ہوگا۔

کُردوں کے علاوہ اناطولیہ کے کسان ایشیائے کوچک کی سب سے بڑی آبادی ہیں۔ انہوں نے مصطفی کمال کی آواز پر لبیک کہا۔ لوگوں نے اس کی خاطر آنکھیں بچھا دیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ سمجھتے تھے۔ کہ اس کا نصب العین اعلیٰ وارفع ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اس پر اعتبار کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ صرف اس کی وجہ سے اُن کی مال و دولت باقی رہی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ محض اس کی طفیل ان کے بچوں کی زندگی بچی ہے اُنہیں معلوم تھا کہ اُن کی عورتوں کی عصمت کی حفاظت اسی کے دم سے

ہوتی تھی۔ اور اُن کی اپنی زندگی اسی کے صدقہ سے بچی ہے۔ ان کے لئے وہ من جانب اللہ مامور کیا گیا تھا۔ اور عیسائیوں کو اُن کے ملک سے اُسی نے نکالا تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ غازی کے ہر ارشاد کی تعمیل ہمارے لئے فرض ہے۔ ہم وہی کریں گے۔ جس کا وہ ہمیں حکم دے گا۔

کسانوں پر آبیانہ کے علاوہ بہت قسم کے ٹیکس تھے۔ جن سے اُن کی زندگی دوبھر ہو رہی تھی۔ غازی موصوف نے وہ نیشنل اسمبلی سے یک قلم سب موقوف کرا دئے۔ اور حکم دے دیا۔ کہ کسی شخص پر کوئی ٹیکس ناجائز اور فضول نہیں لگایا جائے گا۔ کسی ملک کی زیست کی بقا اُس کے کسانوں پر ہے۔ اس لئے آبیانہ میں ایک نمایاں تخفیف کی گئی۔

تعلیم ملک کے لئے جبری قرار دی گئی۔ قرار پایا کہ ہر متنفس کو مڈل تک تعلیم ضروری ہے۔ بڈھوں اور معمر لوگوں کے لئے علیحدہ سکول قائم کئے گئے سفری سکول بنائے گئے۔ جن کا فرض تھا۔ کہ ہر جگہ پہنچیں۔ اور تعلیم سے ہر خاص و عام کو منور کر دیں۔

بحیثیت صدر جمہوریت اُن کی پوزیشن آئین پر مبنی تھی۔ اور اُن کے بس میں تھا۔ کہ جب کبھی وہ چاہیں وزارت کے اجلاس کو صدارت کی رونق بخشیں۔ چیمبر میں مداخلت کریں۔ لیکن پارلیمنٹ کو برخاست کرنا اُن کے اختیار میں نہ تھا۔ پارلیمنٹ ملک کی سب سے بڑی مجلس تھی۔ جو واضع قوانین اور ملک کی اصل حاکم تھی۔

وہ ان اصلاحات میں مشغول تھے کہ کردوں کی بغاوت شروع ہوئی
دوران جنگ عظیم دول یورپ نے کردوں کے دماغ میں یہ بات ڈال دی
تھی۔ کہ ان کی علیحدہ سلطنت بنائی جائے گی۔ مگر لوزان کی کانفرنس نے
منجملہ دیگر امور کے اس کو ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ کردیا۔

جب دول یورپ کی ایک نہ چلی۔ تو انہوں نے کردوں کو
برانگیختہ کیا کہ ترکوں نے چونکہ خلافت توڑ ڈالی ہے۔ اس لئے وہ مسلمان
نہیں اور نہایت خطرناک بغاوت برپا کرادی۔ بغاوت کے سردار یا بانی
مبانی شیخ سعد تھے۔ کردوں میں وہ نہایت بارسوخ اور ذی اثر تھے
علاوہ بارسوخ ہونے کے وہ نہایت امیر کبیر شخص تھے۔ اور اُن کے
تعلقات ذی اثر خاندانوں سے وابستہ تھے۔ بحیثیت پیر ہونیکے لوگ
انکی ایسی قدر و تعظیم کرتے جیسی کہ باپ کی۔ بغاوت کی اس قدر خوفناک آگ
بھڑکی۔ کہ اس سے قبل ترکی میں ایسی بغاوت برپا نہیں ہوئی تھی۔
دیار بکر کے گلی کوچوں میں جو کردستان کا پایۂ تخت ہے۔ اشتہارات
چسپاں کئے گئے۔ کہ ترک مسلمان نہیں ہیں۔ اس لئے اُن کے خلاف
لڑنا فرض اور سنت ہے۔ لہذا ترکوں کو مٹا کر سلیم آفندی جو کہ عبدالحمید
کے خلف الرشید ہیں خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔

انگورا والے کہتے تھے۔ کہ انگلستان کا اس بغاوت میں ہاتھ ہے
انگورا میں پارلیمنٹ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ جب کردستان کی بغاوت
کا معاملہ پیش آیا تو اس قدر جوش تھا۔ کہ پارلیمنٹ میں ریوالور چل گئے

خیر گذری - کہ مصطفی کمال موقعہ پر آپہنچے اور دونوں پارٹیز کو طعن و تشنیع کر کے معاملہ رفع دفع کرا دیا گیا ۔

غازی موصوف پھر موقعہ پر پہنچے۔ مارشل لا کا اعلان کر دیا۔ باغیوں کے خلاف نہایت سخت تجاویز عمل میں لائی گئیں۔ فوجوں نے باغیوں کا مقابلہ کیا۔ باغی بھاگ نکلے۔ سینکڑوں گرفتار کئے گئے۔ اور شیخ سعد کو انگورا کے چوک میں پھانسی پر لٹکایا گیا کہ لوگوں کے لئے عبرت ہو۔

اس وقت سے آج تک پارلیمنٹ قطعی طور پر متفق ہے۔ اور ملک کو غازی کی ذات پر خاص اعتبار ہے ۔

دورِ پنجم
بابِ اول

مسٹر وارتھم کا خیال ہے کہ لطیفہ خانم کو غازی مصطفی کمال نے جو طلاق دی ہے اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ لطیفہ خانم انہیں مجبور کرتی تھیں کہ وہ خود بادشاہ بنیں مگر غازی کو یہ بات قطعی طور پر ناپسند تھی۔ اس وجہ سے ان میں اختلاف کی خلیج دن بدن وسیع ہوتی گئی۔ لطیفہ کے بھائی حکومت کے معاملات میں دخل اندازی کرنے لگے۔ اور مصطفی کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ بادشاہت کو وہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور اسے قبول کرنا ایک گناہِ عظیم سمجھتے۔ اس زاویہ نگاہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے مصطفی کمال نے البانیہ کی بادشاہت کو تسلیم نہ کیا تھا۔ انہوں نے زوغو احمد پادشاہ البانیہ کو جو خط لکھا اس کے لفظ لفظ سے ایثار ٹپک رہا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ "کاش! تم جمہوریت کی بنیاد ڈال کر سلطنت کو مستحکم اور مضبوط بناتے تاکہ اسلامی سلطنت ابدالآباد تک ہوس اور نفس پرست لوگوں کے پنجہ سے آزاد ہو جاتی۔ سب سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔"

ملک نے انہیں مجبور کیا کہ وہ جمہوریت کے لائف پریذیڈنٹ ہو جائیں مگر انہیں یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ خلفائے راشدین کی مثال ان کے سامنے پیش کی گئی کہ وہ لائف پریذیڈنٹ تھے۔ آپ ہنسے اور کہنے لگے اگر میرا ایمان

میری قوت ارادہ ان جیسی مضبوط ہوتی میری ضمیر ایسی ارفع ہوتی اور مجھے اشرف المخلوقات کے پاؤں کی خاک کو آنکھوں پر رکھنے کا فخر حاصل ہوا ہوتا تو میں یقیناً اس فخر کو فخر کے ساتھ قبول کر لیتا مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک" من آنم کہ من دانم۔ میں قوم کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور جب تک میں نیک نیتی سے اپنے فرائض سر انجام دے رہا ہوں ہر پانچ سال کے بعد مجھے منتخب کیا جائے اور اگر میری نیت میں خلل ہو تو ملک و ملت کا فرض ہے کہ مجھے ایک ذلیل انسان کی طرح ٹھوکریں مار کر ملک سے باہر کر دیا جائے"۔

۱۹۲۳ء میں کانگرس کے موقعہ پر وہ ایک ہفتہ تقریر کر کے زار زار روئے تھے۔ قرآن ان کے ہاتھ میں تھا۔ اور کہتے تھے "مجھے تاجدار مدینہ کے پاؤں کی خاک کی قسم اگر ملک نے محض اس مصطفیٰ کمال کی قدر دانی سیکھی ہے۔ جو گوشت اور ہڈیوں کا بنا ہوا ہے تو وہ تم میں سے بہت جلد غائب ہو جائے گا اور اگر تم میں سے ہر ایک مصطفیٰ کمال بن گیا تو یقیناً تم نے اس کی بہت قدر کی۔۔۔۔ دوستو! دنیا میں آزادی ایک نہایت اعلیٰ چیز ہے اور وہ مسلمان کو ورثہ میں ملی ہے اس لئے تم پر فرض ہے کہ اسے برقرار رکھنے میں اپنی جان تک قربان کر دو علم کے لئے دور دراز کے سفر کرو۔ ہمارے رسولِ مقبول سرورِ دو عالم صلعم علم کے شہر تھے اس لئے ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ وہ علم کے زیور سے آراستہ ہو۔ مسلمان مرد جاہل نہیں ہو سکتا کیونکہ جہالت اور اسلام کے درمیان ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔ اور

اسے صرف وہی شخص عبور کر سکتا ہے جو عالم ہو۔ تمہارے لئے فرض کیا
گیا ہے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو عورتیں
تمہارا لباس ہیں اور تم ان کی زینت ہو۔ اس لئے تم پر فرض کیا گیا ہے کہ
ان کی قدر کرو۔ ان کو اعلیٰ تعلیم دو۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کرو۔ تم کو سکھلایا گیا
ہے کہ بہشت ماں کے پاؤں تلے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت ایک
اعلیٰ اور ارفع چیز ہے۔ لہذا تمہاری قدردانی کی مستحق ہے۔ آج بیسویں صدی
میں جب تم اپنے لڑکوں کو آکسفورڈ۔ کیمبرج۔ لندن۔ پیرس۔ برلن۔ روم
اور نیویارک تعلیم کے لئے بھیجتے ہو۔ ناممکن ہے کہ لڑکیوں کو اکھڑ۔ اور
ناخواندہ رکھ سکو۔ اس سے مایوسی۔ بے صبری اور بے قراری پیدا ہوگی
تمہارے لڑکے غیر ممالک سے اپنے لئے بیویاں تلاش کریں گے۔ وہ
عورتیں محب وطن ہیں۔ وطن کی محبت ان کے دل میں جاوداں رہتی ہے
ان کے بچے فطری طور پر ان سے زیادہ مانوس ہوں گے اس لئے عنقریب
تمہاری قومیت کی دنیا کا یہ عالم ہوگا کہ اگلی نسل ترکی سے محبت نہ کرنے
پر مجبور ہوگی اور غلامی کا طوق تمہاری گردنوں میں نظر آنے لگا۔ اس نقطۂ
نگاہ سے یہ قانون بنایا گیا کہ کوئی ترک عورت یا مرد کسی غیر ملکی شخص سے
شادی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کی تمام جائداد گورنمنٹ ضبط
کرے گی اور وہ ترکی میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ اسلام فطرت کا مذہب
ہے۔ رسول امین دنیا بھر کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن حکیم
ہر ملک اور قوم کی کتاب ہے۔ ہر ملک کا لباس اس کی آب و

ہوا پر منحصر ہوتا ہے۔ اسلام نے کوئی لباس کسی ملک کے لئے خاص نہیں کیا۔ ایک قوم بنانے کے لئے ضروری ہے۔ کہ تمام ملک کا ایک لباس ہو۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ازروئے قانون ساری قوم ایک ہی لباس پہنے ؎

انگورہ جو آج ترکی کا دار الخلافہ ہے یونانیوں کے وقت میں انکیرا کے نام سے منسوب تھا۔ امیر تیمور نے اسے تاخت وتاراج کیا تھا۔ انگورا کا فاصلہ قسطنطنیہ سے ۲۶۰ میل ہے۔ اور اب نہایت عمدہ ریل قسطنطنیہ سے انگورا آتی جاتی ہے سنہ ۱۹۲۳ء میں ریل ۲۶۰ میل کا فاصلہ ۲۲ گھنٹوں میں طے کرتی تھی۔ مگر آج یہ سفر صرف دس گھنٹے میں کٹ جاتا ہے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں انگورا کی تنگ وتاریک گلیاں کچی سڑکیں اور کچے مکان ایک مہیب وخطرناک منظر پیش کرتے تھے۔ مگر آج انگورا یورپین شہروں کی طرح نہایت شاندار شہر شمار کیا جاتا ہے۔ اور دنیا کے چند خوبصورت شہروں میں گنا جاتا ہے۔ مصطفٰے کمال نے شہر کو از سر نو تعمیر کرایا ہے غربا کو حکومت کی طرف سے مفت مکان تعمیر کرا دئے گئے ہیں۔ شہر کے وسط میں ایک عجیب وغریب مصنوعی جھیل ہے۔ جو نہایت دلکش منظر دکھلا رہی ہے۔ جھیل کے چاروں طرف کتب خانہ۔ قومی بنک۔ پولیس کا دفتر چیمبر ہال واقع ہیں۔ پانی کے درمیان جھیل کے وسط میں مصطفٰے کمال کا بُت نصب ہے۔ شہر کی صاف وشفاف سڑکیں ہر ہر جانب لہرا رہی ہیں ؎

متعدد پبلک باغات۔ عجائب گھر و چڑیا گھر جمہوریت کے دفاتر۔
یونیورسٹی کی عمارتیں۔ مساجد۔ سنیما گھر۔ تھیٹر حال۔ کچہری۔ ہائی کورٹ
سپریم کورٹ۔ غریب گھر۔ ہسپتال اور ہوٹل دیگر ہزاروں عمارتوں کے
علاوہ چند ایسی سر بفلک عمارتیں ہیں۔ جن کو دیکھ کر دل میں عجیب سی
کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ شہر کے تمام گلی کوچے نہایت کشادہ ہیں جن کی
دونوں جانب پیدل چلنے والوں کے لئے علیحدہ راستے ہیں۔
سڑکوں میں ہر پچاس پچاس گز کے فاصلہ پر پول آویزاں ہیں۔ جن پر بجلی
کے دو دو لیمپ نصب کئے ہوئے ہیں۔ بجلی شہر کو بقعہ نور بنا رہی ہے۔
اس شہر میں جہاں بجلی کا نام تک نہ تھا۔ آج ہزاروں لیمپ شہر کو جگمگ
کر کے دلوں پر حیرت طاری کرتے ہیں۔ فوارے باغوں میں اس طور پر چلتے
ہیں گویا کہ چاندی اگل رہے ہیں۔ شام کے وقت کمیٹی کی طرف سے باغات
میں باجوں کا انتظام ہے۔ باغوں میں ہزاروں کرسیاں بچھی ہوتی ہیں۔ اور لوگ
آزادی کے نشہ میں سرشار بیٹھے۔ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ شہر میں متعدد
ہزاروں پانی کے نل سو سو گز کے فاصلے پر قائم ہیں۔ اور شام کے وقت وہاں
سے فوارے چھوڑے جاتے ہیں۔ چوکوں میں سڑکوں پر سپاہی کمربستہ اپنے
فرائض انجام دے رہے ہیں۔ گھوڑوں اور موٹروں پر پولیس ہر وقت شہر
میں گشت لگاتی رہتی ہے اور عوام کے لئے سہولتیں بہم پہنچانا ان کا فرض
اولیں ہے۔ کسی زمانے میں لنڈن پولیس دنیا کی بہترین پولیس تصور
ہوتی تھی۔ مگر آج بقول سر ونیلنٹائن چرل ترکی پولیس دنیا کی بہترین او

نہایت اعلیٰ پولیس سمجھی جاتی ہے۔ اشیاء کی خرید و فروخت کی جانچ وپڑتال محکمہ احتساب کے ذمہ ہے۔ ان کے افسر بازاروں میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ دوکان داروں کے بٹوں کی پڑتال کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی دوکاندار زائد منافع لوگوں سے وصول کرلے تو اس پر مقدمہ بنایا جاتا ہے۔

قوم کی صحت برقرار رکھنے کے لئے حکومت نے قانون بنا دیا ہے۔ کہ دوکان دار ۹ بجے صبح سے پیشتر کاروبار شروع نہیں کرسکتا۔ اور نہ دوکان کھول سکتا ہے اور شام کے چھ بجے کے بعد دوکان کھلی نہیں رہ سکتی۔ البتہ ڈاکٹروں اور دوا فروشوں کو ضروری لائسنس دئے گئے ہیں کہ وہ اپنا کاروبار رفاہ عام کے لئے دن رات کھلا رکھیں جمعہ کو ایک بجے دن کے بعد حکماً کوئی دکان کھلی نہیں رہ سکتی اور اتوار کو بھی شہر بند رہتا ہے۔ جمعہ اور اتوار کو پولیس بازاروں میں پھرتی رہتی ہے۔ تاکہ لوگ کاروبار بند رکھیں۔ اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دی جاتی ہے۔

یوں تو انگورا میں کئی ایک ہسپتال واقع ہیں۔ ہر محلہ میں ہسپتال بچوں کے کھیلنے کے پارک۔ زنانہ مدرسہ۔ سکول پولیس سٹیشن اور عدالت پنچایت واقع ہیں۔ مگر انگورا کا سب سے بڑا اسپتال جو غازی کے نام نامی سے منسوب ہے دنیا کے چند بڑے شفاخانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں پانچ ہزار آدمیوں کی گنجائش ہے وہاں مریضوں کی عافیت و آرام کے لئے وہ وہ سامان بہم پہنچائے گئے کہ ان کا احاطہ تحریر میں آنا ناممکن ہے غربا کو نہایت عمدہ اور نفیس غذا مفت بہم پہنچائی جاتی

ہے۔ امرا کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنائے گئے ہیں۔ اور ہر وارڈ چھ کمروں پر مشتمل ہے۔ کرایہ نی سٹ صرف چھ روپیہ یومیہ کے حساب سے لیا جاتا ہے۔ ہسپتال کے ملحق ایک عظیم الشان میڈیکل کالج ہیں دنیا بھر کے مشہور و معروف ماہر فن درس دیتے ہیں ۱۹۳۳ء میں میڈیکل کالج میں تین ہزار ترک تعلیم پاتے تھے۔ ہر گاؤں میں ہسپتال اور پنچایت واقع ہیں۔ لوگوں کو سکھلایا جاتا ہے کہ ملک کی اپنی حکومت خدا کی سب سے بڑی رحمت ہے۔

آج ترکی میں چار یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ انگورا کی عمدہ یونیورسٹی نہایت تزک و احتشام سے ہر شعبہ میں تعلیم دیتی ہے۔ دوسری قسطنطنیہ میں ہے تیسری سمرنا میں اور چوتھی ایشیائے وسط کے مشہور شہر سمنا میں واقع ہے۔ مصطفیٰ کمال نے اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ طلباء کو حکومت کے ارباب حل وعقد سے دوسرے ممالک کی طرح متوحش رہنے کی عادت نہ پڑ جائے اور انہیں انقلاب کی کماحقہٗ مفصل تاریخ سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔ دارالعلوم انگورہ میں حکومت کے وزراء اپنے فرائض کے ساتھ یونیورسٹی میں لیکچرار بھی ہوں گے۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا انگورہ میں ہفتہ میں تین بار لیکچر دیتے ہیں اور بطور پروفیسر کام کرتے ہیں۔ استنبول کے موجودہ وزیر حکمت بیگ پروفیسر ہیں جو مہینہ میں پالٹیکس پر چھ دفعہ لیکچر دیتے ہیں۔ باقی درسگاہوں کے متعلق قانون بنایا گیا ہے کہ وہاں کے گورنر یونیورسٹی میں بطور پروفیسر

کام کریں گے +

غازی موصوف کی دور اندیش نگاہ نے تاڑ لیا کہ سب برائیوں سے بڑی برائی یہ ہے کہ وہ ملک اور قوم جسے حاجت کے وقت دوسری قوموں کے آگے دستِ سوال پھیلانا پڑے زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی انہوں نے محسوس کیا کہ ضرورت کے وقت دوسرے ملک اور قومیں مدد سے انکار کر دیتی ہیں۔ اور اگر روپیہ دیں بھی تو ان شرائط پر دیتی ہیں کہ لینے والوں کا کچومر نکل جائے۔ اس نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے انگورا میں ایک ملکی بنک کا افتتاح کیا ہے جس کی شاخیں تمام شہروں اور دیہات میں کھول دی گئیں ہیں عظیم الشان مرکزی دفتر انگورا میں جھیل کے کنارے واقع ہے۔ ہر ترک مرد اور عورت کو نہایت قلیل منافع پر قرض مل سکتا ہے اگر کوئی ترک کسی دیگر سلطنت یا بنک سے روپیہ قرض لے تو اسے وہی سود حکومت کو بھی ادا کرنا پڑے گا جو اپنے قرضخواہ بنک کو دے رہا ہو اگر وہ اس امر کو چھپائے اور اس کا اظہار حکومت میں نہ کرے۔ تو اس کی تمام جائیداد ضبط ہو سکتی ہے۔ تجارتی کاموں کے لئے تو روپیہ برائے نام منافع پر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور حکومت اسے تجارتی کاموں کے لئے جو ملک و ملت کے لئے فائدہ مند ہوں خصوصاً خرید لیتی ہے۔ یا ایسے کام کو اپنی نگرانی اور سرپرستی میں لے لیتی ہے +

آج ترکی میں زراعت نہایت سائنٹیفک طریقہ پر جاری ہے حکومت نے تمام لوگوں کو بنجر قطعوں پر دے رکھی ہے۔ تقادی نہایت

فراخ دلی سے تقسیم کی جاتی ہے۔ اور وہ لوگ جو نادار اور مفلس ہیں اور جن کی حیثیت معمولی ہے حاکم ضلع سے مفلسی کا سرٹیفکیٹ حاصل کر سکیں۔ تو اُنہیں حکومت کی طرف سے مفت مشینیں وغیرہ ہل چلانے کے لئے دی جاتی ہیں۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں ملک کی پیداوار سنہ ۱۹۱۵ء کے مقابلہ میں تین گنا بڑھ چکی ہے۔

حکومت نے دیگر ممالک سے خرید و فروخت کرنا جرم قرار دیا ہے ہر ترک کا فرض ہے کہ وہ سودیشی شئے کا استعمال کرے۔ اس لئے متعدد کارخانے ترکوں کے روپیہ سے ترکوں کی زیر نگرانی چل رہے ہیں۔ اور ٹرکش یونین کے اصول کے ماتحت کوئی شخص جو ترکی نسل نہ ہو۔ ان کارخانوں میں بطور مزدور۔ کلرک۔ مینجر۔ یا کسی اور حیثیت میں ملازم نہیں ہو سکتا۔ روئی۔ شکر۔ کپڑا۔ چمڑا۔ قہوہ۔ چائے کے متعدد کارخانے دس سال کے عرصہ میں بن کر ملکی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حکومت نے فورڈ کمپنی سے معاہدہ کر کے اُنہیں ترکی میں ۲۵ سال کے لئے تجارت کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور کارخانوں کے لئے حکومت کی طرف سے مفت اراضی دی ہے۔ اور محصول معاف کر دیا ہے۔ اور ان کے عوض میں کمپنی کے لئے ان شرائط کا پابند رہنا لازمی ٹھہرایا ہے کہ وہ ہر ماہ حکومت کو ایک زیپلن مفت دے۔ کوئی آدمی سوائے ترکوں کے ملازم نہ رکھے۔ اور میعاد مقررہ کے اختتام پر تمام کارخانے حکومت کے حوالے کر دئے جائیں۔ علاوہ بریں پانچ کارخانے نہایت وسیع پیمانے

پر ہوائی جہاز بنانے کے لئے حکومت نے بنا رکھے ہیں جن میں فرانسیسی اور روسی انجینئر ترک بچوں کو جہاز بنانے کا کام سکھاتے ہیں۔

تین کارخانے بحری جہاز بنانے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ ملک میں ریل۔ ٹیلیفون۔ وائرلیس۔ ٹیلیگراف کا جال بچھا رکھا ہے کوئی ترک کسی قسم کی کوئی بدیشی شئے نہیں خرید سکتا۔ اگر خریدے تو اتنی ہی قیمت حکومت کے خزانے میں داخل کرنی پڑے گی۔ کپڑا بننے کے لئے روس سے مشینیں منگائی گئیں چینی اور تانبے کے برتن بنانے کے لئے جاپان سے کاریگر منگائے۔ ریشمی کپڑا بنانے کے لئے چینی اہل حرفہ کو دعوت دی۔ دیا سلائی بنانے کے لئے سویڈن سے ماہرین طلب کئے کپڑا چھینے کی مشین کے لئے امریکہ سے کاریگر آئے۔ الغرض آج کوئی ایسی چیز نہیں جو ملک کے اندر تیار نہ ہوتی ہو۔

ملک میں تعلیم لازمی ہے۔ جابجا سفری سکول اس لئے بنائے ہیں کہ کوئی شخص علم سے بے بہرہ نہ رہ سکے۔ انجینئرنگ۔ قانون میڈیسن کے علیحدہ علیحدہ سکول دار العلوم کی زیر نگرانی نہایت خوش اسلوبی سے کام کر رہے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ ان تمام شعبوں میں تعلیم ملک کی زبان میں دی جاتی ہے۔ قرار دیا ہے کہ ملک کی زبان ترکی ہے۔ اس لئے کوئی ترک کسی غیر زبان میں گفتگو کرنے کا مجاز نہیں۔

پولیس کالج انگورا میں علیحدہ قائم کر رکھا ہے۔ ایک دفعہ مصطفٰی کمال ایک سوداگر کے بھیس میں تھے۔ ایک سپاہی کو جسکی تنخواہ صرف ۲۰ روپیہ تھی آپ نے آزمائش

کے طور پر سو پونڈ کا ایک نوٹ دیا۔ کہ وہ انہیں اس راستہ سے گذر جانے دے جو حکومت نے مسدود کر رکھا تھا مگر اس بہادر اور شریف سپاہی نے صاف انکار کر دیا کہ وہ اپنی جان دے دیگا۔ مگر روپیہ لے کر ملک سے دغا نہیں کرے گا۔

مذہب کا مفہوم انہوں نے خوب سمجھ لیا ہے۔ کوئی شخص بغیر عدالت کے ڈگری حاصل کئے نہ طلاق دے سکتا ہے نہ ایک سے زیادہ شادی کر سکتا ہے۔ طلاق ایکٹ کے پہلے صفحہ پر درج ہے کہ طلاق ایک ایسی چیز ہے۔ جو مذہباً جائز ہے۔ مگر خدا اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔ مرد اور عورت کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔ تمام یورپ بھر میں ترکی ایک پہلا ملک ہے۔ جہاں عورت کو آزادی دی گئی ہے۔ خالدہ ادیب خانم پہلی عورت تھی جو وزیر کابینہ مقرر ہوئیں۔ مسجدوں میں نماز کے اوقات مقرر ہیں کوئی پیر لائسنس لئے بغیر مرید نہیں بنا سکتا۔ کوئی واعظ جس نے کہ باقاعدہ ٹریننگ حاصل نہ کی ہو۔ وعظ نہیں کر سکتا ہر مسجد کے ساتھ کلب اور کتب خانے ملحق ہیں۔

قرآن کے ترجمہ کے لئے ایک خاص ایکٹ بنایا گیا ہے۔ اور پارلیمنٹ کے زیر نگرانی ایک سب کمیٹی بنائی گئی ہے۔ جس کی زیر نگرانی ترکی زبان میں قرآن کا ترجمہ ملک کے بہترین ادیبوں اور مصنفوں سے کرایا گیا ہے۔ اس پر حکومت کے ہزاروں پونڈ خرچ ہوئے ہیں۔ مسجد آیا صوفیہ میں قرآن شریف کا ترکی ترجمہ پڑھا گیا۔ مصطفےٰ کمال بھی موجود تھے۔ یہ رسم نہایت شان سے منائی گئی۔ ہزاروں انسانوں کو دعوت دی گئی۔ سفیر۔ مدبر۔ وزرا۔ امراء۔ پارلیمنٹ کے ممبر اور معزز عہدہ دار شامل

ہوئے۔ جب قرآن کا ترجمہ پڑھا جا رہا تھا۔ تو سب لوگ گھٹنوں تعظیماً کھڑے رہے غازی مصطفیٰ زار و زار رو رہے تھے ⁂

فوج کو ماڈرن طریقہ پر تنظیم و ترتیب دی گئی ہے ملک میں پانچ ملٹری کالج موجود ہیں۔ ملک کا فوجی ایکٹ علیحدہ ہے۔ ہر ترک بچہ کو دس سال کی عمر سے پندرہ سال کی عمر تک دوسری تعلیم کے علاوہ جبری فوجی تعلیم دی جاتی ہے۔ فوج کو رسالوں۔ رجمنٹوں اور توپ خانوں اور کمپنیز میں تقسیم کیا ہے ملٹری پولیس علیحدہ ہے ⁂

ملازمت کا تقرر محض قابلیت پر مبنی ہے۔ جہاں کسی زمانے میں محض سفارش پر کام چلتا تھا آج سفارش بیکار ہے۔ تقرر کے لئے صرف مقابلہ معیار ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ جو مقابلہ کا امتحان پاس کریں۔ انہیں ضرور ملازمت دی جائے۔ مقابلہ کے بعد طلبار کو پبلک سروس کمشن کے روبرو پیش ہونا پڑتا ہے۔ وہ امیدواروں کے حسب نسب اور شرافت کی جانچ پڑتال کرکے ان کا تقرر کرتے ہیں ⁂

سلطان المعظم کی حکومت کے زمانہ میں پریس کی حالت عجیب تھی۔ جونہی کسی اخبار نے بادشاہ کے خلاف کوئی مضمون لکھ دیا۔ اسی وقت اس کی ضمانت ضبط کر دی گئی۔ ایڈیٹر کو یا تو نظر بند کیا جاتا۔ یا ہمیشہ کے لئے اس کی زبان پر مہر سکوت لگادی جاتی۔ ان حالات کے ماتحت کسی اخبار کا زندہ رہنا اور قومی خدمات بجالانا سخت مشکل تھا۔ مگر آج غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے اخبارات کو بالکل آزاد کر دیا ہے۔ جہاں سنہ ۱۹۲۰ء میں صرف ایک اخبار انگورا

ہے اور دو تین اخبار قسطنطنیہ سے نکلتے تھے۔ آج روزانہ اخبار صرف انگورا سے ۳۰ اور ۲۵ روزنامے قسطنطنیہ سے نہایت شان و شوکت سے ملکی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ پریس ایسوسی ایشن ایک ایسی مجلس ہے جس کی مثال دنیا بھر میں کہیں نہیں ملتی۔ اخبار نویسوں کے فوجداری اور دیوانی جھگڑے ایسوسی ایشن فیصلہ کرتی ہے۔ حکومت نے اُسے خاص اختیارات دے رکھے ہیں۔ اخباروں کے اخلاق کی زیر نگرانی اس مجلس کے سپرد ہے اخبار نویسوں میں یگانگت۔ اتفاق اور مراسم پیدا کرنا اس مجلس کا کام ہے۔ حکومت نے ایسوسی ایشن کو دفتر اور اہل کار اپنے پاس سے دے رکھے ہیں۔ اور آج ٹرکش پریس عوام کی ترجمانی کا واحد ذریعہ ہے۔

ترکی میں بے شمار جنگلات واقع ہیں۔ مگر سلطان المعظم نے کبھی بھی اس کی طرف توجہ نہ کی تھی غازی مصطفی کمال پاشا نے اس کی طرف خاص توجہ مبذول کر کے باقاعدہ طور پر ایک محکمہ علیحدہ کر دیا ہے۔ ہزاروں ترک اس محکمہ میں ملازم ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں یہ محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں اس محکمہ کے تمام مصارف ادا کر دئے گئے اور باقی آمدن ۱۰۳۶۰۰۰ پونڈ آمدن ہوئی۔ اس آمدن کا ۷۶ فی صدی ملکی سڑکیں بنانے پر خرچ کر دیا گیا اور ۲۴ فی صدی اس محکمہ میں سبزی پر خرچ کر دیا گیا۔ ایکسپرٹ یعنی ماہرانِ فن پیدا کرنے کے لئے ایک فارسٹ کالج کھولا گیا ہے۔ جس میں فارسٹ کے مختلف شعبوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔ محکمہ معدنیات۔ جمادات۔ نباتات علیحدہ علیحدہ کھولے گئے ہیں اور نہایت خوش اسلوبی سے اپنا کام سرانجام

دے رہے ہیں کوئلہ اناطولیہ سے اس کثرت سے ملا ہے۔ کہ ماہرین کا خیال ہے کہ آئندہ دس سال میں اناطولیہ تمام دُنیا کو کوئلہ مہیا کر سکے گا مشرق ادنیٰ میں سونا چاندی اور جواہرات کثرت سے برآمد ہوئے ہیں۔ الغرض ہر بات کا علیحدہ علیحدہ محکمہ علیحدہ علیحدہ وزیر کے سپرد ہے۔ اور آج ترکی دنیا کی بہترین حکومتوں میں تصور ہوتی ہے۔

ہزاروں قابل اور فاضل انسان عمدہ اور نادر کتابوں کی تصنیف اور ترجمہ در ترتیب میں دن رات مصروف ہیں۔ یورپ کے دیگر ملکوں میں جو اعلیٰ کتابیں چھپتی ہیں۔ دو مہینوں کے اندر ترکی میں ترجمہ ہو کر عوام کے فائدہ کے لئے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ جستجو تفحص ترجمہ و تصنیف کے علیحدہ محکمہ قائم ہیں۔ جو نہایت جانفشانی سے ملکی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ الغرض غازی ممدوح ہمہ تن ان اصلاحات میں مصروف تھے۔ کہ یورپ کو آخری چال سوجھی۔ کہ ایشیائی ملکوں کی ہمدردی غازی ممدوح سے زائل کی جائے اور اسلام کے زخم کاری پر ایک حربہ لگایا جائے۔ کہ غازی ممدوح اسلام سے بیزار ہیں اور لامذہبیت کا درس دے رہے ہیں۔ اسلام ترکوں نے ترک کر دیا ہے اور اسلام کے نام سے سخت متنفر اور بیزار ہیں۔ وہ ہر قانون اس غرض و غایت سے نافذ کر رہے ہیں۔ کہ اسلام کو ٹھیس لگائی جائے۔ کہیں انہوں نے نماز کو منسوخ کر دیا ہے۔ اور کہیں وہ قرآن کے خلاف ہیں۔ اور کہیں وہ احکام شریعت کی تخفیف میں لیل کرنا مایہ ناز و افتخار سمجھتے ہیں۔ الغرض

رپورٹر خوب کھل کھلانتا روں کے تانت باندھ دئے۔ اور کسی حد تک تنگ خیال مسلمانوں کی ہمدردی زائل کرنے میں کامیاب ہؤا۔ کسی نے سچ کہا ہے سانچ کو آنچ نہیں۔ اُسی رپوٹر نے ہمیں مطلع کیا۔ کہ غازی ممدوح حضور سرور کائنات آقائے نامدار تاجدار مدینہ کی سوانح عمری لکھنے میں مصروف ہیں۔ اور اُن کا اپنا خیال ہے۔ کہ اس سے قبل ایسی سوانح عمری ترکی میں نہیں لکھی گئی۔ ڈاکٹر بروُن جنہوں نے ماہ جنوری ۱۹۳۴ء میں غازی ممدوح سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ امریکن فارٹ دنائیٹلی ریویو کے صفحہ ۲۷۵ پر رقمطراز ہیں۔ کہ غازی موصوف کو پیغمبر سے خاص عقیدت اور محبت ہے اور رسول کا نام لے کر آبدیدہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ بارہا کہہ چکا ہے کہ دُنیا نے ایسا عظیم الشان انسان ابھی تک پیدا نہیں کیا اور نہ کر سکے گی۔ اُن کی آنکھیں آب گون تھیں۔ چائے کی پیالی کو انہوں نے میز پر رکھ دیا۔ اور کہا۔ یورپ اور امریکہ اس لئے متنفر ہیں۔ کہ حضور کی اصلی زندگی کے حالات آپ لوگوں تک نہیں پہنچائے گئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ میرے دائیں کندھے پر رکھ دیا۔ کہ یورپ کو قطعی طور پر اس پروپیگنڈ سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کہ میں اسلام سے بیزار ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں اسلام کی محبت اچھل رہی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر خدا کا زمین پر انسان کے لباس میں مبعوث ہونا ممکن ہو سکتا ہے تو وہ صرف حضور کے لباس میں ہو سکتا ہے۔ اسلام دنیا کا مذہب ہے البتہ ہم اس کی تفسیر اپنی نقطہ نگاہ سے کرتے ہیں۔ وہ صرف اختلافی مسائل

ہیں۔ آج سے قبل قرآن کی تفسیر بہت لوگوں نے اپنے اپنے زاویہ نگاہ کے مطابق کی۔ اور اسی نقطۂ نگاہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مولانا روم نے کہا ہے

من ز قرآن مغز را بر داشتم
استخوان پیش سگاں انداختم

میں نے جو اصلاحات اپنے ملک میں جاری کئے ہیں وہ عین شریعت کے مطابق ہیں۔ یوروپ جو چاہے کہے لیکن اہل بصیرت دیکھ چکے ہیں۔ اور دیکھ رہے ہیں۔ کہ میں ہر قدم آقائے نامدار کی متابعت میں رکھ رہا ہوں ؛

گریس ایلن ایک مشہور و معروف انگریزی خاتون ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب ترکی آف ٹوڈے لکھی ہے۔ جس میں وہ رقمطراز ہیں میرے کشادہ دل مہربان ناجی پاشا جب سرکاری حیثیت میں انگلستان میں آئے۔ تو اُن کے انگلش میزبان نے پوچھا کہ آپ نے ترکی میں مذہب کا کیوں خاتمہ کر دیا۔ تو پاشا نے برجستہ جواب دیا کہ ہم نے اپنے وطن میں ہرگز مذہب کا خاتمہ نہیں کیا۔ یہ بات ایسی نادرست ہے جیسی یہ بات ہے۔ کہ کرامول نے انگلستان میں مذہب کا تیا پانچا کر کے رکھ دیا تھا ؛

وہ ترک جو مذہب سے بیزار ہیں۔ جنہیں اسلام سے نفرت ہے۔ جن کے متعلق آئے دن من گھڑت نئی نئی کہانیاں بنا کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ وہ آج بھی حضور سرورِ کائنات

کے نام لیوا ہیں۔ اور انہیں دین و دنیا کی بہتری حضور مقبول سرور دو عالم کی متابعت میں سمجھتے ہیں مشہور و معروف روسی سیاح ڈاکٹر ونڈارف اپنے سفرنامہ ترکی میں لکھتے ہیں۔ کہ یورپ ترکوں کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔ کہ انہوں نے مذہب کا طوق گردن سے اُتار دیا ہے۔ جب مجھے چیمبر ہال لے جایا گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ ایک سنگ مرمر پر قرآن شریف کی کچھ آیات کندہ تھیں میں نے غازی ممدوح سے اس کا ترجمہ دریافت کیا۔ تو مجھے بتلایا گیا۔ کہ اس کا مفہوم یہ ہے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

میں نے غازی سے ڈرتے ڈرتے دریافت کیا۔ کہ یورپ تو بڑے زور سے کہہ رہا ہے۔ کہ آپ مذہب سے بیزار ہیں کچھ دیر آپ خاموش رہے اور پھر ہنسے اور کہنے لگے۔ کہ یورپ نے ہمارے خلاف کیا کیا نہیں کہا۔ کبھی ہم بیمار یورپ تھے۔ کبھی ہم نے درندوں کی طرح آرمنیوں اور یونانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ کبھی میری ذات کے متعلق کہا گیا۔ کہ میں ڈاکو۔ چور اور رہزن ہوں۔ اگر آج یہ کہا جائے کہ میں نے مذہب کا قلع قمع کر دیا ہے۔ تو کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ میں یورپ کو خوب سمجھتا ہوں ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش　　　　من انداز قدت را می شناسم

جمہوریہ ترکیہ کے ناظم سررشتہ تعلیمات ناجی پاشا لکھتے ہیں۔ کہ آخر یورپ غازی مصطفے کمال پاشا کو اس درجہ ہوش وخرد سے کیوں عاری سمجھتا ہے۔ کیا کوئی شخص جس کے دماغ میں ذرا بھی عقل ہو۔ مذہب کی بیخ کنی کا خیال اپنے دماغ میں لا سکتا ہے۔ مذہب میں اصلاح ممکن ہے لیکن اس کا خاتمہ خلاف عقل اور محال ہے"

جرنیل چارلس ایچ شیرل جو ایک سال متواتر غازی ممدوح کے ساتھ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں "غازی مصطفے کمال کے الحاد اور بے دینی کی داستانیں سب ان کے دشمنوں کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ میں ان کے ساتھ ایک سال رہا ہوں۔ اور اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں۔ کہ خدا اور مذہب پر انہیں پورا ایمان ہے۔ ان کی رائے میں بنی آدم کے لئے خدا پر جو واجب الوجود ہے۔ ایمان لانا اور اس کے لئے آستانہ پر بندہ وار جھک جانا لازمہ بشریت ہے۔ اپنے معبود کو یاد کرنا اور اُسی سے امداد مانگتے رہنا انسان کا فرض ہے۔ غازی مصطفے کمال پیغمبر عرب کو نہ صرف آخیر رسول بلکہ دنیا کا سب سے بڑا انسان جانتے ہیں۔ وہ ملاؤں کی طرح تنگ نظر و متعصب نہیں ہیں۔ اور مذہب اسلام کے اندر جس قدر اوہام داخل ہو گئے ہیں۔ اُن کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔ سچ ہے۔ کہ بعض دفعہ اُن کے منہ سے ایسے کلمات نکل گئے ہیں کہ سلسل مصروفیت کے باعث مجھے مسجد میں جا کر نماز پڑھنے کا موقع

نہیں ملتا ہے۔ اور میری نمازیں قضا ہو جاتی ہیں لیکن اُن کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ مصطفیٰ کمال عوام الناس کو اوہام پرستی کی دلدل سے نکال کر اپنے جیسا روشن خیال انسان بنانا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے قرآن پاک کا ترجمہ ترکی زبان میں کرا دیا ہے جس کی وجہ بعض ملاؤں نے ان پر بڑی لے دے کی۔ لیکن اس ترجمہ کا اثر یہ ہوا کہ ترک اور بھی مذہب پرست ہو گئے۔

کچھ عرصہ گذرا۔ اخبارات میں ترکی کے مدارس ابتدائیہ کا نصاب شائع ہوا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ترک مذہباً مسلمان ہیں اور اپنے بچوں کو بھی اسلام کی تعلیم دیتے ہیں۔ انہیں بتایا جاتا ہے کہ ترکوں کے دو مذہب ہیں۔ دنیوی اور دینی۔ دنیوی مذہب یہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ترکوں پر غالب آکر ان کی ایک انچ زمین پر قابض نہیں ہو سکتی ہے ترک ہر معرکہ میں جب تک کہ اس کا خدا اور رسول پر ایمان ہے۔ ظفر مند رہیگا۔ دینی مذہب یہ ہے۔ خدا ایک ہے اور رسول مقبول سرورِ دو عالم اس کے آخری رسول ہیں۔ رسول مقبول جو کتاب لائے ہیں۔ اس پر عمل کرنے سے دنیا میں اور آخرت میں بڑی سے بڑی کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔

"گذشتہ عید الفطر کی تقریب انگورا میں جس دھوم دھام سے منائی گئی۔ اور طول و عرض اناطولیہ پر جشنِ سعید جس تزک و احتشام سے آراستہ کیا گیا۔ وہ غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کی قوم کو بے دینی کا طعنہ

دینے والوں کے پروپیگنڈا کے حق میں پیام مرگ تھا۔ فلک پرواز طیاروں نے اوج ہوا سے تہنیتی قطعات مسلمانوں پر برسائے۔ غازی مصطفےٰ کمال عیدگاہ میں آئے۔ جہاں مسلمان رب العزت کی بارگاہ میں جبیں فرسا ہونے کے لئے قطار اندر قطار جمع تھے۔ غازی ممدوح نے اس وقت جو خطبہ دیا۔ اس میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی تھی کہ اسلام کے ناموس کی حفاظت کریں۔ اپنی شان و ثقاہت کو برقرار رکھیں اور اپنی روایات پر حرف نہ آنے دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال کا وجود نہ صرف ترکوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے صد ہزار فخر و مباہات ہے۔ اور ترکوں کے عقائد کی صحیح تصویر ان کے قائدِ اعظم غازی مصطفےٰ کمال پاشا صدرِ جمہوریہ کی وہ تقریر ہے۔ جو انہوں نے پروفیسر امین آفندی مدیر المقید مصر کے سامنے دورانِ ملاقات میں کی۔ غازی پاشا کی تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ترکوں کے دلوں میں اسلام کی سچی محبت و عزت ہے اور وہ اس کا عملی ثبوت بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ لوگ جو ان میں مذہب کی خامی بتلاتے ہیں وہ عملاً اسلام کی محبت سے عاری ہیں"۔

پروفیسر امین آفندی لکھتے ہیں۔ غازی پاشا نے میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔ کہ ہم اسلام کے سچے پرستار ہیں۔ اور ہمارے قلوب میں اسلامی تعلیم کا احترام جاگزیں ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ ہم پر اعتراض کرنے والے اسلام کی خاطر میدان میں کبھی

نہیں نکلے۔ اور ہم نے اسلام کی عزت کے لئے مسلسل جہاد کیا۔ اور اب بھی اگر اسلام کے لئے کوئی نازک وقت آجائے تو یہ اعتراض کرنے والے معہ اپنے جبہ و دستار کے حجروں میں جا چھپینگے اور ہم تلواروں کے سایہ میں اسلام کی حمایت کریں گے۔ ہماری جماعت آج بھی اسلام پر فدا ہے۔ اور اسلام ہماری عزیز ترین متاع ہے۔ لیکن وہ اسلام نہیں جو مُلاؤں کے پاس ہے۔ بلکہ وہ اسلام جو قرآن میں موجود ہے۔ ان بیہودہ صفت مُلاؤں کے پاس چند ظاہری مراسم۔ چند ریا کارانہ مظاہرے اور چند شکم پروری کے اصولوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں اور ہمارے نزدیک۔ اسلام نام ہے۔ اپنی تمام قوتوں کے ساتھ عرش و فرش کے خدا کے حضور میں جُھک جانے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا۔ اسلام کسی خاص لباس کا نام نہیں۔ اسلام نام ہے۔ صرف خدا کی آواز پر لبیک کہنے۔ اپنی ہر حرکت کو اس کی رضامندی اور منشار کے مطابق بنانے کا۔ ہم مجلس وطنیہ کے تمام ارکان قرآن و حدیث سے واقف ہیں ہم فرائض کے پابند ہیں اور فریب کار پیشواؤں کے دشمن ہیں۔ اسی وجہ سے ہم کو ہدف ملامت بننا پڑا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ ہم اُن کے اثر و اقتدار سے بالاتر ہیں"۔

ڈاکٹر راند رن ۱۹۲۲ء کے موسم سرما میں انگورا تشریف لائے اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاں بطور مہمان مقیم رہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "ترکوں کے دل میں اسلام کی تڑپ ہے۔ اور ترکوں میں اسلام کی محبت کُوٹ کُوٹ

کر بھری ہے۔ وہ ایک بہت بڑا مسلمان اور محب وطن ہے۔ اُس کی روز مرہ کی زندگی میں خلیفہ ابو بکر صدیقؓ اور خلیفہ عمرؓ کی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ وہ اُن کے نقش قدم پر چلنا باعث افتخار سمجھتا ہے مساجد پہلے سے زیادہ آباد ہیں۔ اور مغربی تحریک پر اُن میں ردّ و بدل کیا گیا ہے مساجد کے ساتھ کلب گھر اور کتب خانے ملحق ہیں۔ قوم آزادی کے نشے میں سرشار ہے اور یورپ کا پروپیگنڈا کہ ترک مسلمان نہیں رہے حرف باطل کی طرح مٹ جانے والا ہے"۔

"حقیقت یہ ہے کہ غازی مصطفیٰ کمال کا وجود صرف ترکوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے سرمایہ ہزار فخر و مباہات ہے خلافت عثمانیہ کا بیشک خاتمہ ہو چکا ہے لیکن اُس کے کھنڈروں پر جمہوریت کا جو قصر رفیع غازی ممدوح نے تعمیر کیا ہے۔ اُس کے نقیب پکارتے ہوئے جاتے ہیں کہ اسلام اب بھی دُنیا کے فیصلہ کا جزو لاینفک ہے"۔

الغرض اس عجیب و غریب انسان نے چودہ سال کے عرصہ میں تمام ترکی کی کایا پلٹ دی ہے آج ترکی یورپ نہیں بلکہ دُنیا کی ایک مضبوط سلطنت تصور ہوتی ہے جو قومیں اُس سے معاہدہ کرنا فخر سمجھتی ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ سب غازی مصطفیٰ کمال پاشا کی بدولت ہے۔ جو نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں آدھی رات کے وقت گنگناتے نکلے تھے۔

بنائیں کیا سمجھ کر شاخ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُس کے زورِ بازو کا

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں